دینی، دعوتی، علمی، ادبی، تحقیقی، فکری اور اصلاحی ترجمان

ماہنامہ

نقوش اسلام

VOL.No.10	جنوری/فروری ۲۰۱۶ء (Jan.Feb 2015) ربیع الثانی ۱۴۳۷ھ	Issue.No.11.12

مجلس سرپرستان

مرشدالامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی
ولی مرتاض حضرت مولانا سید مکرم حسین سنسارپوری
عارف باللہ حضرت مولانا مفتی عبدالقیوم رائے پوری
پیر طریقت حضرت مولانا محمد طلحہ کاندھلوی

مجلس مشاورت

مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی مولانا سید واضح رشید حسنی ندوی
مولانا بلال عبدالحئی حسنی ندوی مولانا محمد عامر صدیقی ندوی
مولانا محمد احمد صالح جی الحاج موسیٰ اسماعیل درسوت
مولانا حافظ محمد ایوب، مولانا حسن مرچی، مولانا محمد زکریا پٹیل
مولانا یحییٰ بام، مولانا رشید احمد ندوی، مولانا محمد منذر ندوی

مجلس ادارت

❁ مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی ❁ مولانا محمد عمر قاسمی مجاہد پوری ❁ مولانا حمید اللہ قاسمی کبیر نگری

چیف ایڈیٹر: محمد مسعود عزیزی ندوی
مدیر انتظامی: حافظ عبدالستار عزیزی
مدیر معاون: ڈاکٹر مرغوب عالم عزیزی

ترسیل زر اور خط و کتابت کا پتہ

NUQOOSH-E- ISLAM
MUZAFFARABAD.SAHARANPUR.247129
(U.P)INDIA. Cell.09719831058
E.mail : nuqooshe_islam@yahoo.co.in
masood_azizinadwi@yahoo.co.in
www. nuqoosheislam.com , www. mifiin.org
ماہنامہ ''نقوش اسلام'' مظفرآباد، سہارنپور 247129 (یوپی) انڈیا

شرح خریداری

ہندوستان کے لیے
فی شمارہ.....۲۰/روپے
سالانہ.....۲۴۰/روپے
خصوصی.....۵۰۰۰/روپے
ایشیائی، یورپی افریقی وامریکی ممالک کے لیے ۵۰/ڈالر

رسالہ کے جملہ امور سے متعلق اس نمبر پر رابطہ کریں: **09719639955**

منیجر توسیع واشاعت: قاری محمد صالحین
Mob: 09813806392

Markazu Ihyail Fikril Islami , A/C No. 30416183580,S.B.I
Monthly Nuqoosh-e-Islam, A/C No. 30557882360,S.B.I

PRINTED, PUBLISHED AND OWNED: MD FURQAN
PRINTED AT LUXMI PRINTING PRESS SAHARANPUR
EDITOR: MD FURQAN

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اس شمارے میں

عناوین	مضمون نگار	صفحہ
اداریہ		۳
مسلمان کسی مذہب کی توہین.....نہیں کرتا	محمد مسعود عزیزی ندوی	
دعوت فکروعمل		۶
موجودہ دور میں علماء کرام کی ذمہ داری	مولانا بلال عبدالحئی حسنی ندوی	
دعوت اصلاح		۱۳
جھوٹی گواہی کی ممانعت	مولانا محمد خالد سعید صاحب	
رہنمائے طلبہ		۱۶
طلبہ تحریک کے میدان	ڈاکٹر عبدالحمید اطہر ندوی بھٹکل	
دعوت دین		۲۲
اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت	محمد مسعود عزیزی ندوی	
سفرنامہ		۲۵
ممبئی کے سفر کی کچھ یادگار باتیں	حمید اللہ قاسمی کبیر نگری	
حقائق		۳۰
عالم برزخ قرآن وحدیث کی روشنی میں	مولانا محمد حذیفہ غلام وستانوی	
فکروعمل		۳۶
الاماں از روح جعفر الاماں	مولانا فتح محمد ندوی	
جائزہ		۳۸
کیا یہ خاندان تحریک آزادی میں شامل تھا؟	مولانا محمد شاہد انور قاسمی	
سیرت نبوی		۴۰
فخر کائنات کی زندگی ایک آئیڈیل	محمد مسعود عزیزی ندوی	
اصلاحیات		۴۳
صلہ رحمی کرنیکی اہمیت وفضیلت	مولانا محمد عمر قاسمی مجاہد پوری	
تبصرے		۴۷
نئی کتابوں پر تبصرہ	محمد مسعود عزیزی ندوی	
وفیات		۴۸
حالات حاضرہ	ادارہ	

ماہنامہ ''نقوش اسلام'' کے لئے شرح اشتہار

ٹائٹل صفحہ آخر رنگین	(فل سائز).....۳۰۰۰
// // اول اندرونی	// // ۲۵۰۰
// // آخر اندرونی	// // ۲۰۰۰
صفحہ اندرونی	(فل سائز).....۱۰۰۰
آدھا صفحہ اندرونی	.....۶۰۰
¼ صفحہ	// ۴۰۰

اس دائرے میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ اسی رسالہ کے ساتھ آپ کی سالانہ مدت خریداری پوری ہورہی ہے، لہٰذا آئندہ کے لیے جلد ہی زرتعاون مبلغ ۲۴۰ روپے ارسال فرمائیں، تاکہ رسالہ کو جاری رکھا جاسکے۔ (ادارہ)

نوٹ: شائع شدہ مضامین سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں، ہر قسم کی چارہ جوئی کا حق صرف عدالت سہارنپور کو ہی ہوگا۔

پرنٹر پبلیشر: محمد فرقان نے لکشمی آفسیٹ پریس سہارنپور میں طبع کرا کے دفتر ماہنامہ نقوش اسلام مظفرآباد سے شائع کیا

کمپوزنگ: عزیزی کمپیوٹر سینٹر: مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفرآباد، سہارنپور، یوپی (الھند)

اداریہ

مسلمان کسی مذہب کی توہین اور کسی کی دلآزاری نہیں کرتا

محمد مسعود عزیزی ندوی

آج کل مختلف مذاہب کے لوگ مسلمانوں کے خلاف مختلف انداز سے شور وغل کرتے رہتے ہیں، کوئی اسلام کے خلاف زبان کھولتا ہے، کوئی اللہ کی کتاب قرآن مجید کی توہین کرتا ہے، کوئی اللہ کے پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرتا ہے، کبھی اسلامی قوانین پر تیشہ زنی کی جاتی ہے، کبھی مسلم پرسنل لاء بورڈ کا مسئلہ سامنے آتا ہے، غرضیکہ مسلمانوں کی دلآزاری کی جتنی بھی شکلیں ہیں وہ اختیار کی جاتی ہیں، ان کا مقصد مسلمانوں کو برانگیختہ کرنا، ملک میں بدامنی کا ماحول قائم کرنا اور مسلمانوں کو ہراساں کرنا ہوتا ہے، تاکہ مسلمان ترقی نہ کرسکیں، آگے نہ بڑھ سکیں، اپنی پوری طاقت وقوت اپنے دفاع میں خرچ کردیں، چین سے آرام سے بیٹھ کر کھا کما نہ سکیں۔

یہودی بھی مسلمانوں کو اور مسلمانوں کے پیغمبر کو نشانہ بناتے ہیں، عیسائی بھی مسلمانوں اور مسلمانوں کے پیغمبر پر حملہ کرتے ہیں، برادران وطن بھی مسلمانوں اور مسلمانوں کے پیغمبر کی توہین کرتے ہیں، ہر ایک مسلمانوں پر، مسلمانوں کی مقدس کتاب پر، مسلمانوں کے عظیم پیغمبر پر کیچڑ اچھالتا ہے، سب سے پہلی بھول تو ان سب کی یہی ہے کہ وہ اللہ کو مسلمانوں کا خدا، اسلام کو مسلمانوں کا مذہب، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلمانوں کا پیغمبر اور قرآن کریم کو مسلمانوں کی کتاب سمجھتے ہیں، یہ جھوٹ اور غلط فہمی ہے، سچی اور صحیح بات یہ ہے کہ اللہ تعالی سب کا خالق، سب کا خدا ہے، اسلام تمام روئے زمین پر بسنے والی انسانیت کا مذہب اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک کیلئے روئے زمین پر بسنے والے تمام انسانوں کے رسول وپیغمبر ہیں، اور قرآن کریم تمام روئے زمین پر بسنے والوں کی کتاب ہے، یہ تمام چیزیں صرف مسلمانوں ہی کی نہیں بلکہ زمین پر بسنے والے ہر انسان کی ہیں۔

اس بات کو سب مانتے ہیں کہ جب کوئی نئی حکومت آتی ہے، تو وہ پچھلی حکومت کے قانون کو یکسر بدل دیتی ہے، پچھلی حکومت کے احکامات ناقابل عمل قرار دیدئے جاتے ہیں، نئی حکومت، نئے قانون بناتی ہے، عوام نئی حکومت کے قانون کو مانتی ہے، اس کا احترام کرتی ہے، اگر کوئی نئی حکومت کی خلاف ورزی کرتا ہے، تو قانون اپنا کام کرتا ہے، اس آدمی کو گرفتار کیا جاتا ہے، اور جو سزا طے ہے، وہ اس کو دی جاتی ہے، بالکل یہی صورتحال اس مسئلہ میں بھی ہے کہ اللہ تعالی نے جو نبی بھیجے، جس زمانے میں اور جس علاقے میں جو نبی آیا، وہاں کے لوگوں پر اس نبی کی اطاعت اور اس کی کتاب پر ایمان لانا اور اس کے لائے ہوئے قانون

کو ماننا ضروری ہوتا ہے، چنانچہ اسلام سے پہلے جتنے بھی پیغمبر اور نبی آئے اور جتنی بھی کتابیں نازل ہوئیں، تمام پیغمبروں اوران کی کتابوں کی تعلیمات وہدایات اور قانون ناقابل عمل ہیں، اللہ تعالی نے مذہب اسلام کے ذریعہ گزشتہ تمام پیغمبروں کی تمام کتابوں کو منسوخ کردیا، اب قیامت تک کے لئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پوری انسانیت کے لئے نبی برحق ہیں، عرب کیلئے بھی، عجم کے لئے بھی، ہندوستان کے لئے بھی، ایشیاء، یورپ، آسٹریلیا، امریکہ، افریقہ اور تمام براعظموں بلکہ پوری انسانیت کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری پیغمبر ہیں، قرآن کریم اللہ کی آخری کتاب ہے، پچھلی تمام کتابوں کو منسوخ کردیا گیا ہے، اب قیامت تک کیلئے آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور آپ کی لائی ہوئی کتاب قرآن کریم کے قانون پر عمل کرنا ہوگا، اگر قرآن کے علاوہ کوئی دوسری کتابوں پر عمل کرے گا، تو وہ قابل قبول نہ ہوگا، اور اللہ کے یہاں سزا کا مستحق ہوگا۔

مگر اس کے باوجود کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم نے گزشتہ تمام پیغمبروں کی تمام کتابیں منسوخ کردیں، اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے کہ کوئی آدمی اس وقت تک مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک کہ گذشتہ تمام پیغمبروں پر ایمان نہ لائے، گذشتہ تمام پیغمبروں کی کتابوں پر ایمان نہ لائے اوران کو برحق نہ سمجھے، اس لئے کسی نے بھی نہیں سنا ہوگا، کہ کسی مسلمان نے حضرت موسی علیہ السلام کی توہین کی، یا حضرت موسی کی کتاب توریت کی توہین کی، کسی نے نہیں سنا ہوگا، کہ کسی مسلمان نے حضرت عیسی علیہ السلام کی توہین کی، یا حضرت عیسی علیہ السلام کی کتاب انجیل کی توہین کی، کسی نے نہیں سنا ہوگا، کہ کسی مسلمان نے رام چندر جی کی اور کرشن جی کی توہین کی ہو یا کسی مسلمان نے برادران وطن کی مذہبی کتابوں ویدوں وغیرہ کی توہین کی ہو۔

حالانکہ جس طرح توریت وانجیل کا اور حضرت موسی وحضرت عیسی علیہما السلام کا تو مستقل قرآن کریم میں ذکر ہے کہ وہ اللہ کے نبیوں میں ہیں، اور نبیوں پر ایمان لانا ہر مسلمان کا فریضہ ہے، مگر رام چندر جی اور کرشن جی کے متعلق ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے کہ ہم ان کو اللہ کے پیغمبر سمجھیں، یا ویدوں کو اللہ کی کتابیں سمجھیں، اس لئے ہم نہ ان کی تصدیق کرتے ہیں نہ تکذیب کرتے ہیں، مگر توہین بھی نہیں کرتے، اس لئے کہ ہوسکتا ہے کہ رام چندر جی بھی کسی زمانہ میں نبی رہے ہوں، اور شری کرشن جی بھی کسی دور میں نبی رہے ہوں، اگرچہ اس پر کوئی دلیل نہیں، مگر یہ ضرور ہے کہ وہ عظیم شخصیات تھے، اس لئے کوئی مسلمان کسی کے مذہب کی کسی شخصیت کی، کسی مذہب کی کسی کتاب کی توہین نہیں کرتا ہے، اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ دوسروں کی عزت کرو، تمہیں عزت مفت ملے گی، زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا، جو کسی پر رحم نہیں کرتا، اللہ تعالی اس پر رحم نہیں کرتا، جو بڑوں کا احترام نہیں کرتا، چھوٹوں پر شفقت نہیں کرتا، اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں، اور جو لوگ اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو پکارتے ہیں، ان کو گالی مت دو، کیونکہ وہ بدلے میں اللہ کو انجانے میں گالی دیں گے، اگر کوئی کسی انسان کو بغیر قصاص کے یا بغیر

زمین پر فساد پھیلائے قتل کرتا ہے، تو گویا کہ وہ پوری نسل انسانی کا قاتل ہے۔

جس مذہب کی بنیاد ان انسانی اصولوں پر ہو وہ کیسے ظالم ہوسکتا ہے، وہ کیسے دہشت گرد ہوسکتا ہے، وہ کیسے کسی کی جان لے سکتا ہے، جس میں جانوروں تک کے لئے رحم کرنے کا حکم دیا گیا ہو، وہ انسانوں پر کیسے ظلم کرسکتا ہے، مگر اب ایسا دور ہے کہ دنیا میں ہر طرف مسلمانوں ہی کو نشانہ بنایا جارہا ہے، مسلمان جس مذہب کے پیرو ہیں، وہ اسلام ہے اور اسلام کا مطلب ہے امن والا، تو جس کے نام ہی میں امن ہو، وہ نقض امن کا کیسے حکم کرسکتا ہے، وہ سراپا امن وشانتی اور سلامتی کا پیامبر ہے، وہ تو دنیا سے بت پرستی کو ختم کرنا چاہتا ہے، دنیا سے ظلم کو ختم کرنا چاہتا ہے، اللہ کا قانون نافذ کرنا چاہتا ہے، درندگی، حیوانیت اور بربریت کو نیست ونابود کرنا چاہتا ہے، زندگی کے ہر شعبہ میں امن وسلامتی چاہتا ہے، وہ کیسے بے راہ روی کی تعلیم دے سکتا ہے، مگر یہود ونصاری نے اور برادران وطن نے ہر ظلم کو، ہر دہشت گردی کو ان کی طرف منسوب کردیا ہے، جب کہ سچی بات یہ ہے کہ اس وقت اسلام صرف مسلمانوں ہی کا مذہب نہیں بلکہ یہ یہودیوں کا بھی ہے، عیسائیوں کا بھی ہے، برادران وطن ہندؤں کا بھی ہے، اور باقی دنیا کے تمام دوسرے مذاہب کے پیروکاروں کا بھی اصل مذہب یہی ہے، چونکہ قیامت تک کیلئے یہی دین ہے، اب جو بھی اس کو مان لے گا، وہ کامیاب ہے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، جو اس کے علاوہ دین کو اختیار کریگا، اللہ کے یہاں وہ قابل قبول نہیں ہوگا، اور آخرت میں بڑا خسارہ رہے گا، اس لئے اللہ تعالی نے صاف اعلان کردیا کہ ''اللہ کے نزدیک دین اسلام ہی ہے، اب اسلام کے علاوہ اگر کوئی دوسرا دین اختیار کرے گا وہ قابل قبول نہیں ہوگا، اور آخرت میں بڑا خسارہ ہوگا''۔

جن لوگوں نے یہ سبق یاد رکھا، اسلام کو اختیار کیا، اللہ، اس کے رسولوں اور اس کی کتابوں اور اس کے احکامات کو مانا، وہ مسلمان کہلائے، ہمارے برادران وطن اور دیگر مذاہب کے متبعین نے اسلام کو اختیار نہیں کیا، اس کے ساتھ غیروں جیسا رویہ اپنایا، اور اس کو مسلمانوں کا مذہب کہہ کر چھوڑ دیا، حالانکہ ان کا خود بھی مذہب اسلام ہی ہے، مگر وہ بھولے ہوئے ہیں، اگر تمام مذاہب کے ماننے والے ایک خدا کی طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا آخری پیغمبر مان لیں، اور قرآن کریم کو اللہ کی کتاب مان لیں، اور اسلام کو گلے سے لگالیں، تو یہ دنیا امن وامان کا گہوارہ بن جائیگی اور ہر طرف اخوت ومحبت اور غمگساری اور ایک دوسرے کے احترام کا سماں بندھ جائے گا، اور یہ دنیا گل گلزار بن کر نمونہ جنت بن جائے گی۔

نقوش اسلام کے دس سال مکمل

اللہ تعالی کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ محض اس کے فضل وکرم سے ''نقوش اسلام'' نے اس شمارے کے ساتھ اپنی عمر کے دس سال مکمل کرلئے، اللہ تعالی قبول فرمائے، اور قارئین ومعاونین کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

دعوتِ فکر وعمل

گزشتہ سے پیوستہ

موجودہ دور میں علماء کرام اور ائمہ کی ذمہ داری

یہ تقریر داعی الی اللہ حضرت مولانا سید بلال عبدالحئ حسنی ندوی مدظلہ العالی کی ہے جو ۲۰ر مارچ ۲۰۱۴ء کو ''مدرسۃ الفلاح'' شہر اندور میں کی گئی تھی، جہاں پر مختلف مدارس کے علماء کرام اور ائمہ حضرات موجود تھے، افادۂ عام کی خاطر قارئین کے سامنے پیش کی جارہی ہے۔ (ادارہ)

ایثار وقربانی کا جذبہ پیدا کرنا چاہئے:

میرے دوستو! آج ہمارا حال یہ ہے کہ ہم ایک دوسرے کی قدر نہیں کرتے، اکرام مسلم جو ہمارا شیوہ ہے، ہم اپنے طور طریقے سے بالکل ہٹتے جارہے ہیں، مجلس میں اگر ہم سے کوئی کہے کہ ذرا سا کھسک جائیے، ذرا ہلکے ہوکر بیٹھ جائیے، تو ہمارا مزاج یہ ہے کہ شاید ہم وہ چیز اپنے دل میں بٹھالیتے ہیں اور ایک دشمنی سی پیدا ہوجاتی ہے کہ ہم سے کیوں کہا گیا کہ یہاں سے ہٹ کر وہاں بیٹھ جائیے، جب ایثار وقربانی کا اتنا جذبہ بھی نہ رہے، جب ہمیں اتنا بھی خیال نہ ہو کہ جو ہم سے بات کہی جارہی ہے، کوئی بڑا ہم سے کہہ رہا ہے، کوئی ذمہ دار ہم سے کوئی بات کہہ رہا ہے، تو ہمیں اس کی بات مان لینی چاہئے، اگر چھوٹا بھی ہو تو بھی بات مان لینی چاہئے، اسی میں بھلائی ہے۔

چھوٹا بھی بڑا ہونے کی قابلیت رکھتا ہے:

اگر کوئی شخص کسی چھوٹے آدمی کو بڑا عہدہ دیدے تو حسد اور دشمنی نہیں کرنی چاہئے چونکہ جس نے دیا ہے وہ تو بڑا ہے، حالات سے وہی واقف ہے، اس لئے اگر کوئی شخص کسی کو کسی جماعت کا امیر بنادے یا بڑے سے بڑا عہدہ دیدے تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے، صحابہ کرام میں اس کی کئی مثالیں ہیں، حضرت اسامہ بن زید کو جو اس وقت آپ کے چہیتے تھے، ظاہر ہے کہ حضرت زید کے فرزند تھے، غلام زادے سمجھے جاتے تھے؛ لیکن آپؐ نے ان کو امیر بنایا، حالانکہ جو لشکر تھا اس میں حضرت ابوبکر وعمر جیسے اساطین موجود تھے؛ لیکن آپ نے حضرت اسامہ کو امیر بنایا اور تمام کے تمام صحابہ نے کس طرح کی اطاعت کے ساتھ وقت گزارا، یہ بات غور کرنے کے قابل ہے، سوچنے کی بات یہ ہے کہ ہم اگر اپنی زندگی کو دیکھیں، اجتماعی زندگی میں، انفرادی زندگی میں اپنی ذمہ داری کے اعتبار سے کہ ہم کس طرح اپنا وقت گزار رہے ہیں اور ہمارے اندر کیا کوتاہیاں ہیں، اگر ہم ان کوتاہیوں کا جائزہ لیں اور اپنے حالات کو بدلنے کی کوشش کریں، تو یاد رکھئے اللہ تبارک وتعالی کی جو مدد اس وقت تھی وہ اللہ آج بھی مدد فرمائے گا، اور اللہ تبارک وتعالی نے جس میں کبھی فرق نہیں کیا، اس کی جو رحمت پہلے تھی جو قدرت پہلے تھی وہ رحمت اور قدرت آج بھی ہے؛ لیکن آپ دیکھئے پورے عالم میں مسلمانوں کے جو حالات ہیں کسمپرسی کا عالم ہے، انتشار کی کیفیت ہے، اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہر فرد یہ سمجھتا ہے کہ بس جو ہمارے دماغ میں ہے جو ہماری رائے ہے اس کو سب مان لیں۔

حضور کے طریقے کو اپنانا چاہئے:

میرے بھائیو! اس طرح نہ کام ہوا ہے اور نہ ہوگا، اس لئے پہلے اپنی زندگی کے رخ کو درست کرنا پڑے گا، اپنے حالات کو درست کرنا پڑے گا، اپنے مزاج کو بدلنا پڑے گا اور ہمیں یہ سمجھنا پڑے گا کہ ہمارے لئے جو اصل بنیاد ہے، وہ بنیاد کتاب وسنت ہے اور آپؐ کی سیرت ہے اور صحابہ کی سیرت ہے، اور اس میں ہمارے لئے ایسے نمونے موجود ہیں کہ اگر ان نمونوں کو ہم سامنے نہ رکھیں اور اپنی رائے پیش کرتے رہیں تو ہم کبھی بھی کامیاب نہیں ہوسکتے، آپ صلح حدیبیہ کا واقعہ دیکھئے

کہ جب صحابہ قریب پہنچ گئے، کیسا اشتیاق ہوگا مکہ مکرمہ حاضری کا، جہاں ان لوگوں کی زندگیاں گزریں، جو ان کا وطن بھی تھا انکے اشتیاق کا محور تھا، وہاں حاضری کا جوشوق ہوگا اس کا آپ تصور نہیں کر سکتے، لیکن جب اس کے بعد معاہدہ ہوا اور حدیبیہ میں جو صلح ہوئی اس کی جو دفعات تھیں آپ ان کا جائزہ لیجئے صاف نظر آتا ہے، آپؐ نے بہت دب کر صلح کی اور صحابہ کا یہ حال ہو رہا تھا کہ وہ کہہ رہے تھے کہ آج آپ موقع دیں اگر اس وقت مکہ مکرمہ میں داخل ہو جائیں تو یہ ہم پر غالب نہیں ہو سکتے، اللہ کا حکم یہ تھا کہ صلح کی جائے اور دب کر کی جائے اور اس کے بعد آپ دیکھئے کہ جب وہاں سے چلے تو سورۂ فتح نازل ہوئی :"انا فتحنا لك فتحامبيناً" اور یہ کلمات آپؐ نے اپنی زبان مبارک سے ارشاد فرمائے، صحابہ حیرت میں تھے کہ آج ہمیں کس طرح دبایا گیا آج موقع تھا؛ لیکن موقعہ ہاتھ سے چلا گیا، اور اب یہ کہا جا رہا ہے کہ عنقریب فتح ہونے والی ہے، لیکن ایمان واطاعت کے وہ پتلے تھے، جب اللہ کے رسولؐ نے ان کے سامنے یہ بات ارشاد فرمائی فوراً ان کے سر جھک گئے اور انہوں نے اس کا یقین کیا، اللہ نے پھر دکھایا کہ صلح حدیبیہ کے بعد جو دو سال کا عرصہ گزرا ہے حالانکہ صلح زیادہ دنوں کے لئے ہوئی تھی لیکن وہ قائم نہ رہی، اس کی تفصیل ہے لیکن ان دو سالوں میں آپ دیکھئے کہ اتنی بڑی تعداد میں لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے کہ پورے پرانے دور میں صلح حدیبیہ سے پہلے اتنی بڑی تعداد مسلمان نہیں ہوئی تھی، جتنی بڑی تعداد دو سالوں میں مسلمان ہوئی، اس کی وجہ یہ تھی کہ غیروں کو اس کا موقع نہیں ملا تھا کہ وہ صحابہ کرام کے اخلاق کو دیکھیں وہ مسلمانوں کی طرز زندگی کا مشاہدہ کرتے، ان کے سامنے وہ نمونے آتے، ان دو سالوں میں انہوں نے معاملات کئے، مدینہ والے مکہ مکرمہ آئے اور مکہ مشرکین کو موقع ملا کہ بار بار مدینہ آئیں، مدینہ کا ماحول دیکھیں، اس کے نتیجہ میں ان کے اندر ایک کیفیت پیدا ہوئی، انہوں نے مسلمانوں کی آپس کی ہمدردی دیکھی، ان کا ایثار دیکھا، ان کے اخلاق دیکھے۔

ایثار وقربانی کی ایک عجیب مثال :

صحابہ کرام کے اندر ایثار وقربانی کا یہ عالم تھا کہ میدان جنگ میں پانی پلانے کے لئے وہ گئے تو ایک دوسرے صحابی جو بالکل جانکنی کے عالم میں تھے اور پیاسے تھے ان کو پانی دیا گیا تو قریب سے کراہنے کی آواز آئی تو انہوں نے صاف کہہ دیا کہ پہلے اس کو پانی دیا جائے بعد میں ہم پینا گوارہ کریں گے، ایثار کے ایسے واقعات بھی نگاہوں نے دیکھے ہیں، یہ وہی صحابہ کرام ہیں کہ جو خون کے پیاسے تھے؛ لیکن ان کی زندگیاں یکسر طور پر بدل گئیں، جب مشرکین مکہ نے آکر یہ واقعات دیکھے، ان اخلاق کا مشاہدہ کیا تو انہوں نے محسوس کیا کہ یہ اسلام کی تعلیم ہے، ایمان لانے کے نتیجہ میں یہ تبدیلی پیدا ہوئی تو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دو سالوں میں اتنی بڑی تعداد مسلمان ہوئی کہ اس سے پہلے نہیں ہوئی تھی، حضرت خالد بن الولید، حضرت عمرو بن العاص سب اسی دور کی یادگار ہیں، اسی موقع پر یہ سارے حضرات مسلمان ہوئے، اب آپ دیکھئے کہ دب کر صلح کے نتیجہ میں جو اللہ کے حکم سے ہوئی تھی اس کے نتیجہ میں اللہ تبارک وتعالی نے اشاعت دین کا کیسا دروازہ کھولا۔

صبر وتحمل ہی کامیابی کا ذریعہ ہے :

ہمیں اس دین کے مزاج کو سمجھنے کی ضرورت ہے، ہمیں اس دین کے مزاج کو سمجھ کر اپنی زندگی بدلنے کی ضرورت ہے، آج جو جذباتیت کا مزاج پیدا ہو رہا ہے، اشتعال کا مزاج پیدا ہو رہا ہے، اگر ذرا سی بات مزاج کے خلاف ہو جائے تو برداشت کرنا مشکل ہو جاتا ہے، یہ ایمانی صفت نہیں ہے، اگر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی کا مشاہدہ کیا جائے، آپ کی سیرت کا مطالعہ کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ کس قدر صبر وتحمل اللہ کے رسولؐ نے سکھایا ہے، حدیث میں آتا ہے کہ صبر سے بڑھ کر کسی کو کوئی نعمت نہیں ملی، اس لئے صبر وتحمل ہی سب سے بڑی نعمت ہے، اس لئے یاد رکھئے اجتماعی کاموں میں سب سے زیادہ جس چیز کی ضرورت پڑتی ہے وہ صبر وتحمل ہی ہے اور علماء حضرات جنہیں کہیں مساجد میں امامت کرنی ہے، کہیں مدرسوں میں تعلیم دینی

ہے، کہیں دعوتی مشن کو سنبھالنا ہے، کہیں لوگوں کی رہنمائی کا کام کرنا ہے، ہر طرح کے مزاج کے لوگ، ہر طبقہ کے لوگ ان کے سامنے ہیں، ان کی رہنمائی کا کام کرنا ہے، اگر علماء کے اندر صبر وضبط کی طاقت نہ ہو، برداشت کی طاقت نہ ہو، تو یاد رکھیئے کبھی بھی کامیاب نہیں ہو سکتے، اس لئے کہ مختلف حالات کا ان کو سامنا کرنا پڑے گا، ہوسکتا ہے کوئی سخت سست کہہ دے، کوئی گالی دیدے، اب ایک عالم صاحب ہیں، ایک امام صاحب ہیں، وہ کہیں فلاں نے مجھے ایسا کہہ دیا، فلاں نے میرے بارے میں ایسی بات کہہ دی، میں تو امامت نہیں کروں گا، میں تو مدرسہ میں نہیں پڑھاؤں گا وغیرہ وغیرہ۔

علم دین کے لئے جھکنا پڑتا ہے:

یہ بات جو لوگ کہتے ہیں کہ میں فلاں کی بات برداشت نہیں کرسکتا، میں مدرسہ میں ہرگز نہیں پڑھاؤں گا تو وہ اسوۂ رسولؐ پر کہاں ہیں، اس لئے کہ آپ کی جو وراثت ہے، یہ علم کی وراثت ہے، علم ایک پھل کی طرح ہے، جس طرح درخت صبر دار ہوتا ہے، اس میں پھل ہوتے ہیں وہ جھک جاتا ہے، آپ دیکھئے کہ آم کی بور اور کہر آتے ہیں، جب آم آئیں گے اور خوب زیادہ سے زیادہ مقدار میں آم آئیں گے تو اس کی شاخیں جھکیں گی پھر وہ درخت قیمتی بن جائے گا اور لوگ اس سے فائدہ اٹھائیں گے اور جو درخت پھلدار نہیں ہوتا اس کی شاخیں اکڑی ہوئی ہوتی ہیں، آج ہمارا جو مزاج ہے وہ اس طرح سے بنتا چلا جارہا ہے کہ اللہ تبارک وتعالی نے ہمیں جو ایمان کی دولت دی ہے اور ہمیں شریعت کی جو نعمت دی ہے، بہت بڑی نعمت ہے، بہت بھاری نعمت ہے، اس کے نتیجہ میں ہمارے اندر ایک تواضع کا مزاج ہونا چاہئے تھا، ایک جھکاؤ کا مزاج ہونا چاہئے تھا، صبر و برداشت کا مزاج ہونا چاہئے تھا، لیکن ہمارا یہ حال ہے کہ ہر آدمی اپنی بات پر اڑا ہوا ہے، ہر آدمی یہ چاہتا ہے کہ جو ہم چاہتے ہیں بس وہ ہو جائے۔

علماء کو حق بات کہنا چاہئے:

یہ سب علماء کی شان نہیں ہے، علماء کی شان تو یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے سے مل کر تفاہم کے ساتھ ایک دوسرے کے ساتھ مذاکرہ کر کے اور گفتگو کر کے اگر کوئی مسئلہ دین سے متعلق ہے تو یقیناً آپ یہ سمجھ رہے ہیں کہ اگر ہم نے بات مانی یہاں پر ایک مسئلہ دین کا ہے، جس پر عمل نہیں ہو پائے گا یا اس کا کوئی دینی نقصان ہوگا تو یقیناً یہ علماء کی ذمہ داری ہے کہ صحیح بات کہیں، حق بات کہیں، حق بات کہنے کا کام علماء کا کام ہے، اگر علماء حق بات نہیں کہیں گے اور صحیح بات نہیں بتائیں گے تو یہ کام کوئی دوسرا نہیں کرسکتا، اس لئے کہ کتاب وسنت کی جو تعلیم ہے، یہ ایک ترازو ہے، یہ ترازو صرف علماء کرام کے پاس ہے، اس لئے حق کو حق کہنا اور باطل کو باطل کہنا یہ علماء کی ذمہ داری ہے، ہمارے ایک بڑے عالم نے بڑی اچھی بات کہی کہ علماء جاروب کش ہیں کہ جس طرح ایک جھاڑو لگانے والا جھاڑو لگاتا ہے اگر تنکا بھی نظر آجائے تو برداشت نہیں کرسکتا، وہ تنکے کو باہر نکال کر پھینک دے گا، اسی طرح علماء کی بھی ذمہ داری ہے کہ سماج میں جو برائیاں ہیں جو منکرات ہیں، جو غلط کام پنپ رہے ہیں، اس کو علماء نہیں کہیں گے تو اور کون کہے گا، اگر علماء خاموش رہیں گے تو برائیاں پھیلتی چلی جائیں گی، لیکن کہنے کا طریقہ ہوتا ہے، اس کے لئے حکمت چاہئے، اس کے لئے اللہ کے رسولؐ کی سیرت میں ایسے واقعات موجود ہیں کہ اگر ان واقعات کا مطالعہ کیا جائے کہ آپؐ نے دعوت کا کیا طریقہ اختیار کیا، اس طریقہ پر جب عمل کریں گے تب ہمارے سامنے راستے کھلیں گے، ہمارے سامنے لوگ آئیں گے، ہماری بات مانیں گے، لیکن اگر ہم لڑائی اور تکبر کا راستہ اختیار کریں گے، تو ہماری بات کبھی بھی مؤثر نہیں ہوسکتی، آپؐ کے بارے میں آتا ہے کہ آپؐ کو جب کسی منکر پر نکیر کرنی ہوتی تھی تو آپؐ مسجد نبوی میں یوں فرماتے: ''لوگو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ لوگ فلاں فلاں کام کرتے ہیں'' ایسا تو مناسب نہیں ہے، آپؐ سے اس کا ثبوت نہیں کہ آپ نے کبھی کسی کو خطاب کر کے یہ بات کہی ہو، اے فلاں تو نے ایسا غلط کام کیا، تجھے ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا، تجھے اپنی اصلاح کرنی چاہئے۔

مجمع عام میں کسی کی توہین نہیں کرنی چاہئے:

اگر آپ مجمع میں کسی کو اسی طرح ٹوک دیں تو کیا ہوگا اس کی بے عزتی ہوگی، وہ بے عزتی محسوس کرے گا اور پھر اگر بات ماننا بھی چاہے گا، تو ہوسکتا ہے کہ وہ بات نہ مانے، اس طرح مجلس میں ٹوکنے سے اکڑ مزاج پیدا ہو جاتا ہے، اس کے برخلاف آپ حکمت سے کہیں، آپ سمجھا کر تنہائی میں لے جا کر کہیں تو ایسی بات کا اثر کچھ اور ہوتا ہے، اس بات میں اللہ نے تاثیر رکھی ہے، آپ اخلاص کے ساتھ کہیں، اصلاح کی نیت سے کہیں، لیکن خدانخواستہ اگر آپ نے اس انداز سے کہا گویا کہ آپ بڑے ہیں، آپ کے اندر وہ برائی ہے ہی نہیں، آپ بہت پاک ہیں اور دوسروں کو نصیحت کر رہے ہیں، یہ دین کے زیادہ مؤثر نہیں ہوتی، اس وقت ہمیں سوچنا چاہئے کہ غلطیاں کس کے اندر نہیں ہیں، غلطیوں سے معصوم آپ کو کوئی نہیں ملے گا؛ لیکن یہ کہ جو بھی غلطیاں ایسی ہیں کہ اس کے کہنے کی ضرورت ہے تو ان کو حکمت سے کہا جائے اور کہنے والا خود محسوس کرے کہ ایسی ہزار غلطیاں ہمارے اندر موجود ہیں، جب یہ احساس پیدا ہوگا تو احساس کے ساتھ بات کہی جائے گی تو انشاء اللہ اس بات کا اثر ہوگا تو یہ علماء کی ذمہ داریاں ہیں، ہم تمام لوگوں کو کہ کہنے والا بھی اس کا مستحق ہے اور سب سے زیادہ اس کا ضرورت مند ہے کہ اس کو اپنی اصلاح کی فکر ہو اور وہ کوشش کرے؛ لیکن یہ ضرورت تمام لوگوں کی ہے۔

آپس میں ایک دوسرے کی خوبیوں کو لینا چاہئے:

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ نے یہ بات فرمائی کہ آپس میں جو حضرات رہتے ہیں، ایک ساتھ ان کا اٹھنا بیٹھنا ہوتا ہے، ایک ساتھ کاموں میں مشغول ہوتے ہیں، تعلیم کے کاموں میں، دعوت کے کاموں میں سب کو ایک دوسرے سے فائدہ پہنچتا ہے، ایک دوسرے کی خوبیوں سے آدمی فائدہ اٹھاتا ہے، ایک دوسرے کے مشوروں سے فائدہ اٹھائیں اور جو خوبیاں انکے اندر ہیں، ان خوبیوں کو لینے کی کوشش کریں تو ایک اچھا معاشرہ وجود میں آتا ہے، ایک دوسرے کی فکر پیدا ہوتی ہے، ایک دوسرے کا احترام پیدا ہوتا ہے، ہمارے مزاج میں اگر یہ بات آجائے کہ دوسروں کی غلطیاں ہمارے سامنے ہوں، ہم صرف دوسروں کے بارے میں دیکھتے اور سوچتے رہیں، انکے اندر کیا غلطیاں ہیں انکے اندر کیا خرابیاں ہیں، یہ جو مزاج ہے، یہ مزاج بدگمانی کا ہے، حدیث میں آتا ہے کہ: "إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ" بدگمانی سے بچو، کیونکہ بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے، اس لئے کہ عام طور سے آدمی جو بدگمانی کرتا ہے، وہ برائی اس کے اندر ہوتی ہی نہیں، اگر وہ برائی ہوگی تو بھی بدگمانی کرنا یہ اللہ کے یہاں پکڑ کی بات ہوگی، کل قیامت میں اگر کوئی برا ہے تو اس کے بارے میں ہم سے یہ نہیں پوچھا جائے گا یہ برا تھا، تم نے اس کے بارے میں بدگمانی کیوں نہیں کی؛ لیکن اگر کوئی اچھا ہے اور ہم نے اس کی بدگمانی کی تو کل قیامت میں یہ پوچھا جائے گا کہ یہ اچھا آدمی تھا تم نے اس کے بارے میں بدگمانی کی اور اس پر ہماری پکڑ ہوگی، اس لئے لوگوں کے بارے میں اچھا گمان رکھنا چاہئے۔

مومن ایک سوراخ سے دوبار نہیں ڈسا جاتا:

اگر کسی سے کوئی معاملہ کرنا ہے تو سب سے پہلے اس آدمی کو چھان پھٹک لو، اچھی طرح معلومات حاصل کرلو تا کہ آدمی دھوکہ کا شکار نہ ہو، اس لئے کہ حدیث میں آتا ہے: "لايلدغ المؤمن من حجر مرتين" کہ مؤمن ایک سوراخ سے دو مرتبہ ڈسا نہیں جاتا، وہ جب معاملہ کرتا ہے تو ایمانی بصیرت کے ساتھ کرتا ہے، لیکن وہ کسی کے بارے میں بدگمانی نہیں کرتا، وہ کسی کے پیچھے نہیں پڑتا کہ اس کو نقصان پہنچائے، یا اس کو نیچا گرانے کی کوشش کرے، کیونکہ یہ ساری باتیں غیر اسلامی ہیں اور سب سے بڑھ کر جو حضرات علماء ہیں اس کے ساتھ تو ان کا دور دور تک واسطہ نہیں ہونا چاہئے، لیکن افسوس کی بات تو یہ ہے کہ آج ہم لوگوں میں ایسی گری ہوئی باتیں پیدا ہوگئی ہیں، جس کے نتیجہ میں آج ظاہر ہے کہ جو فائدہ پہنچا سکتے تھے، ہم جس طرح رہنمائی کر سکتے تھے، ہم لوگوں کو صحیح راستہ بتا سکتے تھے آج وہ صفت ہمارے

اندر باقی نہیں رہی، وہ صلاحیت ہمارے اندر باقی نہیں رہی، گو زبان کی صلاحیت کا ہونا کافی نہیں ہے کہ آپ کہیں اچھی تقریر کرلیں، آپ کہیں پرزور سے خطاب کرلیں، پوری طاقت کے ساتھ آپ بات کہہ دیں، بات مؤثر جب ہوتی ہے کہ اپنے اندر بھی وہ صفات ہوں، وہ ایمان پیدا ہو۔

عالم دین کو اپنی چھاپ اچھی کرنی چاھئے:

ایک واقعہ میں آپ کو سناؤں کہ ایک گاؤں میں جہاں پر دینی ماحول بھی تھا، میں جگہ کا نام لینا نہیں چاہتا، وہاں پر ایک عالم صاحب نئے نئے فارغ ہوکر آئے؛ لیکن ان کا حال یہ تھا کہ جماعت کا بھی اہتمام نہیں کرتے، نماز کا وقت ہے وہ بیٹھے چائے خانہ میں چائے پی رہے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہاں کے لوگوں میں جو دیندار تھے، نمازوں کے پابند تھے، نمازوں کے بارے میں تساہلی پیدا ہوگئی اور جب کسی نے ایک مرتبہ کسی شخص کو پکڑا اور کہا کہ بھائی آپ تو ماشاء اللہ جماعت کا بڑا اہتمام کیا کرتے تھے، کیا بات ہے اب آپ مسجد بھی نہیں آتے؟ تو وہ حضرت فرمانے لگے کہ فلاں مولوی صاحب فارغ ہوکر آئے ہیں وہ فلاں چائے خانہ میں بیٹھے چائے پیتے رہتے ہیں تو بھئی معلوم یہ ہوا کہ نماز اور جماعت کی اہمیت کوئی خاص اہمیت نہیں ہے، جب وہ مولوی صاحب چائے خانہ میں بیٹھ کر جماعت کے وقت چائے پیتے رہتے ہیں، تو ہمیں جماعت اور نماز کے اہتمام کرنے کی کیا ضرورت ہے، جب ایک عالم دین نماز سے لاپرواہی برتتا ہے تو جاہل اس کو دیکھ کر ضرور بالضرور لاپرواہی کرتا ہے اور اس کو برسرعام کہتا بھی ہے۔

عالم دین کو احتیاط کیساتھ زندگی گزارنی چاھئے:

دوستو! لوگ ہمیں دیکھیں گے، ہماری چھوٹی سی غلطی پر بھی سماج میں لوگ پکڑ کرتے ہیں، اس کے نتیجہ میں سماج میں برائی پھیلتی ہے، اگر ہم اپنے بارے میں اپنی اصلاح کی کوشش نہیں کریں گے، اپنی فکر نہیں کریں گے، اپنی زندگی نہیں بنائیں گے، تو پورا سماج بگڑتا چلا جائے گا، جیسے دل کا حال ہے، جب دل کے اندر بگاڑ پیدا ہوگا تو پورا جسم بگڑ جائے گا، اسی طرح علماء کے اندر بگاڑ پیدا ہوگا تو پوری امت کے اندر بگاڑ پیدا ہوگا اور اگر علماء کے اندر اچھی صفات پیدا ہوں گی، درد وفکر پیدا ہوگی تو انشاء اللہ اس کے نتیجہ میں امت کے اندر بھی خیر کی صفات پیدا ہوں گی اور علماء سے امت فائدہ اٹھائے گی، آج ہر جگہ آپ سب اپنا جائزہ لیکر دیکھ لیجئے اور مختلف علاقوں میں پھر کر دیکھ لیجئے، ہر جگہ جو مسئلہ ہے اگر میں غلط نہیں کہوں تو زیادہ تر مسئلہ علماء کا ہے، علماء غلط طریقہ اختیار کررہے ہیں، علماء کے اندر جھگڑا ہے، علماء کے اندر لڑائی ہے، علماء کے اندر انتشار ہے، یہ عجیب وغریب صورت حال ہے، اس صورت حال کو بدلنے کے لئے ہمیں اپنی اصلاح کی ضرورت ہے، اور جو اصلاح کا عمل ہے، میں نے جو حدیث پڑھی، اس میں دونوں باتیں ہوگئیں ایک تو یہ کہ علماء کی اصلاح ہوگی تو امت کی اصلاح ہوگی اور دوسری بات یہ کہ جب ہم اپنی اصلاح کرنا چاہتے ہیں تو ہماری اصلاح کا جو طریقہ ہے وہ یہ ہے کہ ہم اپنے دل کی دنیا آباد کریں، اپنے دل پر محنت کریں، حضرت مولانا فرماتے تھے کہ یہ جو دل ہے اس کی حیثیت زمین کی ہے، جس طرح آدمی زمین پر ہل چلاتا ہے، ٹریکٹر چلاتا ہے، اس کے بعد دانہ ڈالتا ہے، اس کے بعد پانی لگاتا ہے، اس کے بعد جب وہ اکھوئے نکلنے لگتے ہیں پھر بار بار سینچائی کی ضرورت پڑتی ہے، اور پھر وہ کھیتی تیار ہوتی ہے، جو ایک مسلسل محنت ہے، اسی طرح جب ہم دل پر محنت کریں گے تو انشاء اللہ ہمارے اخلاق کی جو کیفیت ہے، اس کے اندر تبدیلی پیدا ہوگی، بلند اخلاق پیدا ہوں گے، بلند کردار پیدا ہوگا، اس لئے ضروری ہے کہ احتیاط کے ساتھ زندگی گزاری جائے۔

ھم اپنے اندر اخلاق پیدا کریں:

اللہ تبارک وتعالی نے صحابہ کے ذریعہ سے ساری دنیا میں دین پہنچایا، بڑی عجیب وغریب تاریخی حقیقت ہے کہ صحابہ جس ملک میں پہنچ گئے وہاں کی دنیا بدل گئی اور آخری درجہ کی بات یہ ہے کہ لوگوں نے اپنی زبان تک چھوڑ دی اور عربی زبان اختیار کرلی، یہ صحابہ کے بلند اخلاق کا نتیجہ تھا کہ لوگ ان کے گرویدہ ہوگئے، فریفتہ ہوگئے کہ یہ تو لگتا ہے کہ

کوئی آسمانی مخلوق ہیں، چنانچہ ان کی زندگیاں تو عجیب وغریب زندگی تھی، اوراس کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں، اگر وہ مثالیں ہم اپنے سامنے رکھیں اپنے اندر وہ اخلاق پیدا کریں، وہ اخلاص وللّٰہیت پیدا کریں تو آج جو حالات ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ ان حالات کی تبدیلی میں زیادہ وقت نہیں لگے گا، بلکہ علماء کے ذریعہ سے یہ جن جن علاقوں میں ہوں گے، جن جن مدارس میں ہوں گے، جن جن مکاتب سے متعلق ہوں گے، وہاں سے پورے ماحول پر انشاءاللہ ان کے اثرات مرتب ہوں گے؛ لیکن جب دل کی دنیا پر محنت کی جائے گی، تب یہ صورتحال پیدا ہوگی اوراس کے لئے جیسے کہ میں نے عرض کیا اکھوئے نکلنے لگتے ہیں، اس کے بعد ایسی گھاس نکلنے لگتی ہے کہ اگر وہ گھاس نہ کاٹی جائے تو اس کی طاقت بجائے اکھوئے میں جانے کے گھاس کی طرف منتقل ہو جاتی ہے، اسی طرح ہمیں اپنے بارے میں سوچنے کی ضرورت ہے، جب اللہ ہمیں کچھ ایمان دیدے، کچھ اخلاص دیدے، کچھ للّٰہیت آنے لگے، پھر ہمیں اپنے بارے میں سوچنا ہے کہ کہاں کہاں سے وہ حشائش شیطانیہ یعنی غلط گھاسیں اگ رہی ہیں، پھر وہ ہماری اِنرجی کو اپنی طرف کھینچنا چاہتی ہیں، اور ہماری جو صلاحیت اللہ کے لئے، اللہ کے دین کے لئے، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کیلئے استعمال ہوسکتی تھی، وہ طاقت کہیں نادانستہ طور پر غلط استعمال نہ ہونے لگے، اس لئے کہ آج ہمارے سامنے جو صورتحال ہے، اس میں واقعہ یہ ہے کہ اکثر وبیشتر ہماری طاقت نادانستہ طور پر غلط کاموں میں استعمال ہوجاتی ہے اور ہمیں احساس تک نہیں ہوتا کہ ہم کس چیز کا شکار ہورہے ہیں۔

ہمیں صرف دین پر محنت کرنی ہے:

آج ہمارے پاس وسائل ہیں، ہمارے پاس وسائل کی کوئی کمی نہیں، ہمیں خالص دین پر محنت کرنا ہے جو دین سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے ہماری زندگیوں تک پہنچا ہے، اللہ تبارک وتعالی نے ہمیں اس کی توفیق دی ہے کہ ہم نے وہ دین مدرسوں میں حاصل کی ہے، کتاب وسنت کی تعلیم حاصل کی ہے، یہ تعلیم ہماری ایسی ہی زائل نہ ہو بلکہ ہم اس سے فائدہ اٹھائیں اوراس سے وہ ایمانی کرنٹ حاصل کریں کہ جس کرنٹ کے بغیر ہم اپنی زندگی میں کامیاب نہیں ہوسکتے، یہ چند ضروری باتیں ہیں جو اس وقت میرے ذہن میں آئی میں نے عرض کردی، میں نے یہ باتیں آپ حضرات کے سامنے عرض کیں، آپ حضرات دور دور سے بھی آئے ہیں، مساجد کے ائمہ بھی ہیں، مدارس کے اساتذہ بھی ہیں، اور مختلف جگہوں کے علماء ہیں، ذمہ دار ہیں، جو بات حدیث میں کہی گئی کہ "کللم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ" کہ تم میں سے ہر فرد ذمہ دار ہے، اوراس کے زیر اثر جو لوگ ہیں، جو اس کی بات ماننے والے ہیں، اس کی بات پر لبیک کہنے والے ہیں، ان کے بارے میں کل قیامت میں پوچھا جائے گا کہ تم نے کس طرح رہنمائی کی، حضرات ائمہ ہیں، حضرات اساتذہ ہیں، حضرات علماء ہیں، سب کی ذمہ داری ہے کہ اپنے اپنے علاقوں میں دین کی مشعل جلائیں، دینی مزاج بنائیں، آج جو خرافات کی شکل میں، بدعات کی شکل میں، رسموں کی شکل میں اور غلط افکار کی شکل میں طرح طرح کی چیزیں ہمارے سامنے آرہی ہیں، یہ کام علماء کا ہے کہ نگاہیں کھلی رکھیں، کوئی بھی اگر غلط کام پنپنے لگے تو پہلے مرحلہ میں ختم کرنے کی کوشش کی جائے تاکہ وہ تحریک، وہ غلط کام پنپنے نہ پائے اوراس کے نتیجہ میں سماج کے اندر بگاڑ پیدا نہ ہو، اس کی ہمیں فکر کرنی ہے۔

برائیوں کو ختم کرنا علماء کرام کی ذمہ داری ہے:

آج جو خرابیاں بڑھتی چلی جارہی ہیں، سودی کاروبار کا دور دورہ ہے، آسانی کے ساتھ لون کا لینا، جوئے کا کھیلنا، شراب کا پینا، نشے کی چیزوں کا نوجوانوں میں عام ہونا، وقت کا ضائع ہونا، برائیوں کا ہونا، منکرات وفحاشی کا پھیلنا، یہ ساری باتیں جو آج سماج میں پھیلتی چلی جارہی ہیں، ہمارے علماء کی ذمہ داری ہے کہ ان کی اصلاح کی کوشش کی جائے اوراس کے لئے بہتر سے بہتر حکیمانہ طریقہ اختیار کیا جائے اور اس کے ساتھ ساتھ اخیر میں ایک بات اور میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ

اتنی بڑی آبادی جو ہمارے برادران وطن ہندو بھائیوں کی ہے، ہمارے اوپر ایک بہت بڑی ذمہ داری ہے کہ ہم یہاں پر سینکڑوں سال سے رہتے ہیں، ہمیں یہاں رہتے ہوئے اتنا طویل عرصہ گزر گیا، لیکن جس طرح کام ہونا چاہئے، اتنا کام نہیں ہوسکا، اس میں سب سے بڑی رکاوٹ ہماری ذاتی زندگی کی ہے۔

امت کے سامنے صحیح نمونہ پیش کریں :

امت کے سامنے اگر ہم صحیح نمونہ پیش کرتے تو شاید آج حالات کچھ اور ہوتے؛ لیکن ہم اپنے معاملات میں، اپنے کاروبار میں، اپنی ملازمت میں ایسے طریقے اختیار کررکھے ہیں جو خالص غیر اسلامی ہیں، تو ظاہری بات ہے کہ دوسروں کے سامنے اس سے کیا نمونہ ظاہر ہوگا، برادران وطن کے لئے کیا طریقہ اثر ڈالے گا، جب ہمارے طور طریقے غلط ہیں، تو سب سے پہلے ہم اپنے اخلاق کو سنوارنے کی کوشش کریں، اپنے کردار کو بلند کریں، کوئی پڑوسی غیر مسلم ہے، ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اس کی فکر کریں، اگر غریب ہے تو ہم اس کی مدد کریں، اگر وہ بیمار ہے تو ہم اس کی عیادت کے لئے جائیں، آخر ہم نے کیوں غیر سمجھ لیا ہے، اگر ہمارا کوئی عزیز بیمار ہے، ہم وہاں جاتے ہیں، کوئی ہماری فکر کا آدمی ہو اور وہ بیمار ہو تو ہم وہاں جاتے ہیں، یہ بڑی عجیب وغریب بات ہے، دینداروں میں یہ بات پیدا ہوگئی ہے، اگر اپنے خاص حلقہ کا آدمی بیمار ہے تو عیادت کے لئے جائیں گے، اس کے کام آئیں گے؛ لیکن کوئی دوسرا ہے تو اس کے قریب جانا نہیں چاہیں گے، حالانکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ کیا تھا، کتنی مرتبہ آپ نے وہ واقعہ پڑھا ہوگا کہ جس میں ایک یہودی بچہ بیمار تھا اور جاگنی کے عالم میں تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے اور آپ نے جاکر دعوت اسلام دی، اس کے باپ نے اپنے بچہ سے کہا "یابنی أطع اباالقاسم" کہ اے میرے بیٹے ابوالقاسم کی بات مان لے، چنانچہ اس بچے نے آپ کی بات مان لی، کلمہ پڑھا اور دنیا سے رخصت ہوگیا۔

پیام انسانیت زمین سازی کا کام ہے :

پیام انسانیت کا جو کام ہے، اگر اس کو غور سے دیکھا جائے تو یقیناً یہ زمین سازی کا کام ہے، اس کے ذریعہ سے فضا سازگار ہوتی ہے، کتنے لوگوں کے دل آپس میں پیار ومحبت سے مل جاتے ہیں، یہی نہیں بلکہ پیام انسانیت تمام دینی کاموں کے لئے اور دینی، تعلیمی اداروں کے لئے ایک معاون ثابت ہوتی ہے، اگر ہم اس کو کریں گے تو ہر دینی کام کے لئے ہم تعاون کرنے والے شمار ہوں گے، اس لئے ضرورت ہے کہ اس ملک کی جس میں آئے دن ایک آگ لگائی جارہی ہے، آپس میں جھگڑے پیدا کرنے کیلئے، حد بندیاں قائم کرنے کے لئے، ایسے موقع پر انسانیت کے ناطے سب کو جوڑنا، سب کو صحیح راہ بتانا، انسانی ہمدردی سکھانا، درد ومحبت کی بات کرنا، یقیناً ان سب کے لئے ایک ایسی دعوت ہے، جس کے ذریعہ آپ ان کے دلوں تک آسانی سے پہنچ سکتے ہیں اور ان کے دماغوں تک پہنچ سکتے ہیں، یہ چند ضروری باتیں میں نے آپ کے سامنے عرض کیں، اسی طرح میں نے شروع میں بات کہی کہ جیسے رسم کے طور پر نہیں کہ ہم آئے آپ تشریف لائے، اور پھر اپنے اپنے گھروں پر چلے گئے، اصل مقصد یہ ہے کہ جو مذاکرہ ہوا ہے اس کے متعلق ہم سوچ پیدا کریں، فکر پیدا کریں، اور ہم میں سے ہر ہر فرد سوچے اور سمجھے کہ ہم سے کیا کوتاہیاں ہورہی ہیں اور ہمارے اندر کہاں کہاں پانی مر رہا ہے اور ہمارے ذریعہ سے کونسا انتشار پیدا ہورہا ہے، اس کے نتیجہ میں امت کیا نقصان اٹھارہی ہے، تو سب سے پہلے ہم اپنی کوتاہیوں کو دور کرنے کی کوشش کریں، اپنی زندگی بنانے کی فکر کریں، اپنے حالات کو بدلنے کی کوشش کریں اور امت کی جو ذمہ داری ہمارے سروں پر ہے، اس ذمہ داری کو بھی محسوس کریں، اصلاح معاشرہ کا کام لیں، تعلیمی بیداری کا کام ہے، دعوت وتبلیغ کا کام ہے یہ ساری وہ ذمہ داریاں ہیں جو ذمہ داری علماء پر ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اس کے کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

❁❁❁

دعوتِ اصلاح

جھوٹی گواہی کی ممانعت

مولانا محمد خالد سعید صاحب مبارک پوری

عن انس رضی اللّٰہ عنہ قال: سئل النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن الکبائر فقال: الاشراك باللّٰہ، وعقوق الوالدین، وقتل النفس، وشهادة الزور"۔ (بخاری شریف جلد ا صفحہ ۳۶۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کبیرہ گناہوں کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کے ساتھ شرک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا، کسی نفس کا ناحق قتل کرنا اور جھوٹی گواہی دینا''۔

اس حدیث شریف میں آپؐ نے انتہائی سخت اور شدید کبیرہ گناہوں شرک، عقوق الوالدین اور قتل کے ساتھ جھوٹی گواہی کو ذکر فرما کر اس سے بچنے کی طرف خصوصی توجہ دلائی ہے؛ لیکن آج لوگوں نے شہادت اور گواہی کے وسیع مفہوم کے دائرہ کو بہت ہی تنگ سمجھ لیا ہے، لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ عدالت میں کھڑے ہو کر جج اور قاضی کے سامنے گواہی کے نام پر جو بات کہی جاتی ہے، گواہی صرف اسی کا نام ہے، حالانکہ اس کے علاوہ گواہی کی اور بہت سی صورتیں ہیں جن کے گواہ ہونے کا لوگوں کو خیال بھی نہیں گزرتا اور بہت سے اچھے خاصے پڑھے لکھے اور اوراد وظائف کے پابند اور دیندار لوگ بھی جھوٹی گواہی کے مرتکب ہو جاتے ہیں، ہم ذیل میں ایسی ہی بعض صورتوں کو ذکر کر رہے ہیں۔

میڈیکل سرٹیفکٹ (طبی تصدیق نامہ):

یہ کبھی بیماری اور کبھی صحت و تندرستی ثابت کرنے کے لئے تیار کرایا جاتا ہے، یعنی بعض مواقع پر لوگ سرکاری یا نیم سرکاری اداروں سے رخصت، یا کسی طرح کی دیگر مراعات حاصل کرنے کے لئے بیماری کا میڈیکل سرٹیفکٹ بنواتے ہیں اور ڈاکٹر صاحبان تعلقات کی بنا پر یا ''معقول فیس'' لیکر میڈیکل سرٹیفکٹ جاری کر دیتے ہیں، جس میں اچھے خاصے توانا اور تندرست آدمی کے بارے میں لکھ دیا جاتا ہے کہ ''فلاں صاحب سخت بیمار ہیں، چلنے پھرنے اور سفر کے قابل نہیں ہیں، یا فلاں صاحب بیماری کی وجہ سے کام کاج کے لائق نہیں ہیں، ابھی انہیں اتنے دن مکمل آرام کی ضرورت ہے'' وغیرہ، وغیرہ۔

اس طرح آدمی جھوٹے میڈیکل سرٹیفکٹ کی بنیاد پر رخصت یا دیگر رعایات حاصل کر لیتا ہے، اسی طرح بعض مرتبہ آدمی کو اپنے آپ کو صحت مند ثابت کرنے کی ضرورت پیش آجاتی ہے، مثلاً غیر ملکی سفر یا کسی خاص شعبے میں ملازمت وغیرہ کے لئے صحت کے تصدیق نامے کی ضرورت ہے تو آدمی صحت کا میڈیکل سرٹیفکٹ بنواتا ہے، اور ڈاکٹر صاحبان اس میں لکھ دیتے ہیں کہ ''فلاں صاحب بالکل صحت مند ہیں اور انہیں کوئی بیماری نہیں ہے''۔

اور ڈاکٹر صاحبان اپنی ''معقول فیس'' لیکر اس طرح کا سرٹیفکٹ عموماً طبی معائنہ کے بغیر ہی جاری کر دیتے ہیں یا معائنہ کے بعد سرٹیفکٹ حاصل کرنیوالے کی حسب مرضی خلاف واقعہ امر لکھ کر دے دیتے ہیں، حالانکہ ان دونوں میں سے کوئی صورت جائز نہیں بلکہ دونوں جھوٹی گواہی میں داخل ہیں، اس لئے کہ یہ سرٹیفکٹ جاری کرنے کا مطلب اس آدمی کی صحت یا بیماری کی گواہی دینا ہے اور بغیر علم و یقین کے گواہی دینا جائز نہیں اور نہ ہی خلاف واقعہ گواہی جائز ہے۔

تعلیمی سند:

یہی حال تعلیمی سند اور سرٹیفکٹ کا بھی ہے کہ کبھی آدمی کو ایسے درجہ کی سند درکار ہوتی ہے جس درجہ کی اس نے تعلیم حاصل نہیں کی ہے، مثلاً

آدمی کو عالمیت، فضیلت یا انٹر، بی اے اور ایم، اے کی سند کی ضرورت ہے اور اس نے یہ کورس نہیں کیا ہے تو وہ کسی ادارہ سے ایسی سند حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے اب اگر کوئی ادارہ ''معقول معاوضہ'' لیکر یا ضرورت مند کی ضرورت پوری کرنے کی نیت سے اس کو مطلوبہ سند دیدیتا ہے تو یہ بھی جھوٹی گواہی میں داخل ہے؛ کیونکہ سند دینے والا سند پر دستخط کرکے اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اس سند کے حامل شخص نے مذکورہ درجہ کی تعلیم حاصل کی ہے، حالانکہ حقیقت میں اس نے اس درجہ کی تعلیم حاصل نہیں کی ہے، اسی طرح بعض مرتبہ آدمی تعلیم تو حاصل کرتا ہے مگر اس کے امتحان میں ناکام ہوجاتا ہے یا ادنی نمبرات سے کامیاب ہوتا ہے، تو اگر اس کے لئے کسی وجہ سے کامیاب کی یا اعلی نمبرات کی سند جاری کی جائے تو یہ بھی جھوٹی گواہی میں داخل ہے، اس لئے کہ سند جاری کرنے والا سند کے ذریعے اس کے کامیاب ہونے، یا اعلی نمبرات حاصل کرنے کی شہادت دے رہا ہے حالانکہ یہ بات خلاف واقعہ ہے۔

تصدیق نامہ:

یہی حال ''تصدیق نامہ'' کا بھی ہے کہ بعض بڑے مدارس اور ادارے اپنے یہاں داخلے کے لئے سابقہ تعلیمی تصدیق نامہ طلب کرتے ہیں تو بعض لوگ بعض مرتبہ ایسے مدرسے اور اسکول سے تصدیق نامہ بنوالاتے ہیں جہاں انہوں نے سرسے تعلیم حاصل ہی نہیں کی، یا حاصل تو کی ہے مگر تصدیق نامہ میں مذکور درجے اور جماعت تک کی تعلیم حاصل نہیں کی ہے، ایسے تصدیق نامے جو تعلقات کی بنا پر یا معاوضہ لیکر دیئے جاتے ہیں وہ سب جھوٹی گواہی میں داخل ہیں، اور ایسا تصدیق نامہ جاری کرنے والا جھوٹی گواہی کے گناہ کا مرتکب سمجھا جائے گا، اور اسے بنوانے اور حاصل کرنیوالے لوگ جھوٹی گواہی پر آمادہ کرنے اور برائی کی دعوت دینے کے گناہ کے مرتکب سمجھے جائیں گے۔

کیریکٹر سرٹیفکٹ:

اسی طرح کیریکٹر سرٹیفکٹ (اخلاقی تصدیق نامہ) بھی ہے کہ آدمی ضرورت پڑنے پر کسی معروف شخصیت یا ادارے سے اخلاقی تصدیق نامہ حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اس کے لئے عموماً بار بار اصرار اور دوسروں کی سفارشات کے ذریعہ دباؤ بھی ڈالا جاتا ہے کہ کسی طرح یہ سرٹیفکٹ لکھ دیا جائے۔

اب سرٹیفکٹ جاری کرنے والا اصرار اور سفارشات کے دباؤ میں اور کبھی یہ سوچ کر کہ میری وجہ سے کسی ضرورت مند کا کام بن جائے تو کیا حرج ہے یہ تو اچھی ہی بات ہے اور وہ سرٹیفکٹ جاری کردیتا ہے اور اس میں اس کے اخلاق وکردار کے بارے میں تعریفی کلمات لکھ دیتا ہے مثلاً یہ لکھ دیتا ہے کہ ''فلاں صاحب کو میں اتنے عرصہ سے جانتا ہوں، ان کے اخلاق وکردار قابل اطمینان بلکہ لائق ستائش ہیں'' حالانکہ اس نے سرٹیفکٹ حاصل کرنے والے کو کبھی جانچا اور پرکھا نہیں ہے اور نہ ہی اس کی اخلاقی حالت کا اسے پہلے سے کوئی علم ہے۔

ایسا سرٹیفکٹ جاری کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ اس آدمی کے اخلاق وکردار کے اچھا ہونے کی گواہی دے رہے ہیں اور بغیر علم ویقین کے کسی چیز کی گواہی دینا ناجائز ہے، اس لئے ایسا سرٹیفکٹ جاری کرنا بھی جھوٹی گواہی میں داخل ہوگا۔

مدرسہ کی تصدیق:

اس زمانے میں بہت سے فرضی اداروں (جن کا وجود سائن بورڈ اور رسید کی حد سے آگے نہیں بڑھتا) کے نام پر خوب چندہ اور دولت جمع کی جارہی ہے اور اس کو ناجائز اور حرام کمائی کا ذریعہ بنالیا گیا ہے، اس لئے بہت سے غیر معروف مدارس اور تعلیمی اداروں کو کسی مشہور ومعتمد شخصیت سے اپنے مدرسے وادارے کے وجود اور اس کے تعلیمی معیار کی تصدیق وتوثیق کرانے کی ضرورت پڑتی ہے اور اس طرح کی تصدیق میں یہ لکھوایا جاتا ہے کہ فلاں مدرسہ وادارہ قائم ہے، اس میں اتنی تعلیم ہوتی ہے، کل اتنے بچے تعلیم پاتے ہیں اور اتنے بچوں کی ادارے کی طرف سے کفالت کی جاتی ہے اور انہیں وظائف دئے جاتے ہیں اور ان کے قیام وطعام کا نظم کیا جاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

اس طرح کی تصدیق حاصل کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کو

اطمینان ہوجائے کہ وہ زیادہ سے زیادہ مدرسہ کی امداد کریں۔

اسی طرح بعض رفاہی ادارے بھی اس جیسی تصدیق حاصل کرتے ہیں تاکہ انہیں خدمت خلق کے نام پر لوگوں کا زیادہ سے زیادہ تعاون حاصل ہوسکے، بہرحال کسی مدرسہ یا ادارے کے متعلق اس طرح کی تصدیق لکھنا ایک طرح سے اس کے بارے میں شہادت دینا ہے، اس لئے اس مدرسے یا ادارے کے وجود اور اس کے دیگر امور جو تصدیق نامے میں لکھے جارہے ہیں، ان کے متعلق جب تک اطمینان بخش معلومات نہ ہوں ایسی تصدیق لکھنا بھی درست نہ ہوگا کیونکہ بغیر علم ویقین کے تصدیق کرنا جھوٹی گواہی میں داخل ہے۔

کتاب کی تقریظ:

عام طور پر تقریظ لکھنے والے حضرات اپنی مصروفیات کی بنا پر پوری کتاب پڑھے بغیر ایک سرسری نظر ڈال کر تقریظ تحریر کردیتے ہیں جس میں کتاب کی تعریف کردی جاتی ہے کہ یہ کتاب بہت اچھی اور مفید ہے، حالانکہ جب تک پوری کتاب کو سنجیدگی کے ساتھ بغور نہ پڑھا جائے اس کے صحیح یا غلط ہونے کا علم نہیں ہوسکتا ہے، لہٰذا اس طرح کتاب پڑھے بغیر لکھنا درست نہیں ہے؛ کیونکہ یہ تقریظ کتاب کے صحیح اور معتبر ہونے کی تصدیق اور شہادت ہے اور بغیر علم ویقین کے شہادت جائز نہیں، لہٰذا اس طرح کی تقریظ وتصدیق بھی جھوٹی گواہی کے زمرے میں آئے گی، الغرض کسی طرح کا جھوٹا سرٹیفکٹ، یا بغیر علم ویقین کے کسی طرح کی تصدیق وتقریظ لکھنا غلط ہے اور اس کو ضرورتمند کی خدمت اور نیک کام سمجھنا جہالت ہے اور ایسے جھوٹے سرٹیفکٹ کے حاصل کرنے کیلئے جو رقم لی اور دی جاتی ہے وہ رشوت میں داخل ہے، جس کا لینا اور دینا دونوں حرام ہے اور ایسا سرٹیفکٹ جاری کرنے والا جھوٹی گواہی کے گناہ کا مرتکب ہوگا اور اس کو حاصل کرنے والا جھوٹی گواہی پر آمادہ کرنے اور معصیت کی دعوت دینے کے گناہ کا مرتکب ہوگا، اللہ تعالی جھوٹی گواہی اور اس کی تمام صورتوں سے ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ (بشکریہ ماہنامہ مظاہر علوم/ ماہ جنوری ۲۰۱۶ء)

مولانا قاری مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی کی

اهم تصانیف

۱- مختصر تجوید القرآن (بروایت حفص اردو)
۲- بچوں کی تمرین التجوید (تجوید کے قواعد، مشق اور طریقہ تدریس اردو)
۳- جیب کی تجوید (تجوید کے ضروری قواعد کا پاکٹ سائز مجموعہ)
۴- ریاض البیان فی تجوید القرآن (بروایت حفص عربی)
۵- رہنمائے سلوک وطریقت
۶- مراجع الفقہ الحنفی ومیزاتہا
۷- الامامۃ فی الصلاۃ ومسائلہا واحکامہا
۸- التدخین بین الشرع والطب
۹- حیات عبدالرشید ۲۰۰ روپئے
۱۰- سیرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ
۱۱- تذکرہ مولانا سید محمد میاں دیوبندیؒ
۱۲- تذکرہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
۱۳- تذکرہ علامہ سید سلیمان ندویؒ
۱۴- تذکرہ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ
۱۵- چند مایہ ناز اسلاف قدیم وجدید
۱۶- مقالات ومشاہدات
۱۷- مکتوبات اکابر
۱۸- چندہ دینے، دلوانے اور لینے کے آداب واصول
۱۹- افکار دل (۳۰ تقریروں کا مجموعہ)
۲۰- تذکرہ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ
۲۱- مدارس کا نظام تحلیل وتجزیہ
۲۲- سیرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
۲۳- میری والدہ مرحومہ (نقوش وتأثرات)
۲۴- قادیانیت نبوت محمدیؐ کے خلاف بغاوت
۲۵- لڑکیوں کی اصلاح وتربیت
۲۶- تذکرہ حضرت حافظ عبدالرشید رائے پوری
۲۷- نقوش حیات حضرت مولانا عبدالرحیم متالا
۲۸- ملفوظات حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ
۲۹- تصوف اور اکابر دیوبند
۳۰- امامت کے احکام ومسائل
۳۱- فقہ حنفی کے مراجع اور ان کی خصوصیات
۳۲- اللہ ورسول کی محبت
۳۳- ماں باپ اور اولاد کے حقوق
۳۴- عقائد اور ارکان اسلام
۳۵- سیرة النبی الأکرم
۳۶- میرے شیخ ومرشد مفکر اسلام
۳۸- القادیانیة ثورة علی النبوة المحمدیة
۳۹- Rules of Raising Funds
۴۰- Beliefs and Pillars of Islam
۴۱- The Laws Pertaining to Imamat
۴۲- The Rights of Perents and children
۴۳- Guidelines for Sulook and Tareeqat

ملنے کا پتہ

مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفرآباد، سہارنپور (یوپی)
Mob: 09719831058 - 09719639955

رهنمائے طلبہ

طلبہ تحریک کے میدان

انجینئر مصطفیٰ محمد طحان.....ترجمہ: ڈاکٹر عبدالحمید اطہر ندوی بھٹکل، کرناٹک

طلبہ کی قسمیں :

طلبہ کی دو قسمیں ہیں، ہر ایک کے اپنے حالات ہیں اور کام کے مختلف مقاصد اور وسائل ہیں، ان دونوں کو ذیل میں تفصیل کے ساتھ پیش کیا جارہا ہے:

(۱) اسلامی ممالک میں آنے والے طلبہ۔

(۲) غیر اسلامی ممالک میں آنے والے طلبہ۔

۱- غیر اسلامی ممالک میں طلبہ تحریک :

عام طور پر غیر اسلامی ملکوں میں طلبہ کی بڑی تعداد نہیں رہتی، پردیسی ہونے کا احساس زیادہ گہرا رہتا ہے اور یہ طلبہ یونیورسٹی کے اندر اور باہر اپنی متعلقہ جماعتوں کے ساتھ منسلک ہونے کی کوشش کرتے ہیں اور اپنا خاص معاشرہ تشکیل دیتے ہیں۔

ان طلبہ میں کام کرنے کے مقاصد :

(۱) اسلامی تشخص اور امت کی صحت مند قدروں کی حفاظت کرنا اور اس میں کسی بھی طرح کی کمی آنے سے روکنا۔

(۲) متحدہ جماعت کی تشکیل جس کی طرف افراد مائل ہوں اور اس میں مشکلات کو حل کرنے کی صلاحیت ہو۔

(۳) غیر اسلامی ملکوں میں مسلمانوں کی بہترین تصویر پیش کرنا۔

(۴) ذرائع ابلاغ کے ذریعے کی جانیوالی اسلام کی کردار کشی کا دفاع کرنا

(۵) مستقبل میں معاشروں کے قائدین کی تیاری۔

(۶) جدید تہذیب وثقافت کی عالم اسلام میں منتقلی۔

وسائل :

(۱) سرکاری اداروں کے قوانین کے مطابق مختلف اداروں کا قیام۔

(۲) غیر ملکی طلبہ سے واقفیت اور ان کے اداروں کے درمیان رابطہ کرنا۔

(۳) نئے طلبہ کے استقبال میں پہل اور ان کے حالات درست ہونے تک ان کو ہر طرح کا تعاون دینا۔

(۴) جب بھی ممکن ہو میعادی ملاقاتوں کا انتظام کرنا، جس میں طلبہ تعاون اور مشورہ پیش کرنے اور مشکلات کو حل کرنے کے لئے جمع ہوں۔

(۵) ان ممالک میں مقیم مسلمانوں اور ادارے کے درمیان تعلقات وروابط پیدا کرنا۔

(۶) ملکی اور غیر ملکی اداروں کے سامنے مسلمان طلبہ کی نمائندگی۔

(۷) امت یا ملک کے مسائل سے واقف ہونے کے لئے میعادی اشاعتوں کے ذریعہ میڈیا سے رابطہ۔

(۸) عام مناسبتوں اور موقعوں سے فائدہ اٹھانا اور ان موقعوں پر جلسوں کا اہتمام کرنا مثلاً رمضان اور عیدین وغیرہ۔

(۹) بامقصد اعلیٰ تعلیم اور اہم اختصاصی موضوعات کی طرف طلبہ کی رہنمائی۔

(۱۰) پردیس میں آنے والے طلبہ اور وہاں طلبہ تحریک کے مابین اور اصلی وطن میں اس کے قائدین کے درمیان مضبوط اور گہرے تعلقات کا قیام۔

(۱۱) طلبہ پر توجہ دینے اور مستقبل میں اپنے معاشرے کی قائدانہ ذمہ داریوں کے لئے ان کو تیار کرنے کے لئے کامل ومؤثر تربیتی پروگرام کی تیاری، اس کا نفاذ، اس کی نگرانی اور اس کا جائزہ۔

(۱۲) اسلامی ممالک میں تہذیب کی منتقلی کے لئے علمی حصول اور علمی تفوق وامتیاز کی ہمت افزائی۔

۲-اسلامی ممالک میں تعلیم کی غرض سے آنیوالے طلبہ:

اس کے ذریعہ مختلف ممالک میں کام کرنے والوں کے درمیان رابطہ وتعلق پیدا کیا جاسکتا ہے، اس کام کے لئے یہ وفود بہترین پل ثابت ہوسکتے ہیں، نوجوان دنیا کے مختلف گوشوں سے کسی بھی اسلامی ملک میں جمع ہوتے ہیں، وہ اپنی یونیورسٹیوں میں اسلامی علوم یا دوسرے اختصاصی مضامین پڑھتے ہیں، یہ اپنے معاشرے کے سرخیل ہوتے ہیں، اور بعد میں سے ہر ایک اپنے اختصاص کے اعتبار سے اپنے معاشرے میں منفرد مقام حاصل کرتا ہے۔

ان میدانوں میں طلبہ تحریک کے مقاصد اوروسائل:

۱-طلبہ اوران کی مشکلات ومسائل سے قریب سے واقفیت اوران کے حل کرنے میں ان کا تعاون کرنا۔

۲-مختلف الجنس افراد کے درمیان تعلقات پیدا کرنا، یہی مختلف ملکوں میں کام میں رابطہ اورتعلق پیدا کرنے کی ابتداء ہے۔

۳-ملکی حالات کی وہیں کے لوگوں سے معلومات حاصل کرنا، کیونکہ یہی معلومات حقیقت سے زیادہ قریب رہتی ہیں۔

۴-علمی اورتربیتی اعتبار سے طلبہ کی پرورش، کیونکہ طالب علم اپنے گھر والوں کے بغیر بہت سی نفسیاتی دشواریوں کا شکار ہوتا ہے، اس مرحلہ میں اس پر توجہ دینا بہت ہی ضروری ہے، اس میں خود اعتمادی اور دوسروں سے محبت کے اوصاف پیدا ہوتے ہیں، ان طلبہ میں اکثر اپنی تعلیم کی تکمیل کے بعد اپنے ملکوں میں اہم سرکاری یا معاشرتی عہدوں پر فائز ہوتے ہیں، ان شخصیات کی تربیت کا فائدہ مکمل طور پر طلبہ تحریک کو پہنچتا ہے۔

۵-طلبہ کے لئے طلبہ تحریک کے مختلف وسائل (جلسہ، محاضرہ، سفر، کیمپ اورتربیتی ورکشاپ وغیرہ) منعقد کئے جاتے ہیں۔

۶-نئے اور پرانے طلبہ کے درمیان تعلقات کا قیام۔

۷-عربی زبان سیکھنے کے لئے طلبہ کا تعاون اوران پر توجہ اوران ممالک کی ثقافتی اورجغرافیائی کیفیات سے واقفیت، جہاں وہ پڑھتے ہیں۔

۸-علمی اعتبار سے ممتاز طلبہ پر توجہ دینا اوراعلی تعلیم کے لئے ان کو نامزد کرنا۔

۹-تعلیمی اداروں یا عام خیراتی اداروں کے ذریعہ ضرورت مند طلبہ کا مادی یا معنوی تعاون کرنا۔

۱۰-علاقائی طلبہ تحریک اوروافدین کے مابین تعلقات کا قیام۔

۱۱-فارغین طلبہ کے ساتھ خط وکتابت اورممکن ہوتوان کے علاقوں میں جاکر ملاقاتوں کے ذریعہ ان کے ساتھ تعلقات باقی رکھنا۔

۱۲- اسلامی اخوت کی اعلی مثال اورنمونہ پیش کرنا، جس میں علاقائیت، جنسیت یا زبان رکاوٹ بننے نہ پائے۔

طلبہ کے ہاسٹل:

طلبہ کے ہاسٹلان کے قیام کی جگہیں ہیں، جہاں پردیسی طلبہ اور یونیورسٹی میں پڑھنے والے علاقائی طلبہ رہتے ہیں، اس کی شکلیں ملکوں اور جگہوں کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہیں، کبھی تو ایک بندرہائشی شہر کی طرح کالج یا یونیورسٹی سے ملحق ہوتے ہیں، جس کا ایک خاص نظام اورانتظام رہتا ہے اوراس میں نگرانوں کی تعیین کی جاتی ہے، کبھی ہوسٹلس ادھرادھر بکھرے ہوئے ہوتے ہیں، جو یونیورسٹی ہی کے نظام کے تحت ہوتے ہیں، کبھی جھوٹے جھوٹے کمروں کی شکل میں ہوتے ہیں، جن کو طلبہ خود کرائے پر لیتے ہیں اوراس میں طلب علم تنہا رہتا ہے یا چند طلبہ ساتھ رہتے ہیں، ان کے علاوہ بھی دوسری شکلیں ہوسکتی ہیں۔

طلبہ کے ہاسٹل میں طلبہ تحریک کی اھمیت:

مندرجہ ذیل اسباب کی وجہ سے طلبہ تحریک طلبہ کے ہاسٹل میں اپنے کاموں پر بہت زیادہ توجہ دیتی ہے۔

۱-طلبہ کے ہاسٹل طلبہ یا طالبات کے ایسے کیمپس ہوتے ہیں، جہاں اکثر اوقات طلبہ ایک دوسرے کے ساتھ رہتے ہیں اوروہ اپنے

قائدین کے رابطے میں رہتے ہیں۔

۲-طلبہ کو ایک دوسرے کے ساتھ قریب سے واسطہ پڑتا ہے، اسی وجہ سے نفسیات اور طبیعتوں کے بارے میں معلوم کرنا اور اس کے مطابق برتاؤ کرنا آسان ہوتا ہے، شخصیت کے امتیازات اور عیوب ظاہر ہوتے ہیں اور امکانات، صلاحیت اور استعداد سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

۳-طلبہ کے ہاسٹل طلبہ کے مضبوط قلعے ہوتے ہیں، جہاں طلبہ اپنے حقوق کی مدافعت کرتے ہیں اور تحریک میں روکاوٹ ڈالنے والی کسی بھی خارجی مداخلت کے بغیر اپنی سرگرمیوں کو انجام دیتے ہیں۔

۴-طلبہ کے رہائشی علاقے تربیتی سرگرمیوں کے اہم گہوارے ہیں، جہاں بہترین نتائج نکلتے ہیں، وہیں کام کرنے والے افراد پیدا ہوتے ہیں، صلاحیتیں بنتی ہیں اور قائدین وجود میں آتے ہیں۔

۵-طلبہ کے ہاسٹل تمام قسم کے طلبہ کی مختلف علاقوں، اختصاصات، درجوں اور نظریات ورجحانات سے منسلک ہونے کے باوجود ملاقات گاہیں ہیں، اسی وجہ سے دوسروں کے ساتھ ملاقات کرنے اور تجربات حاصل کرنے کا یہ بڑا میدان ہے۔

۶-طلبہ کے ہاسٹلس یونیورسٹی کے اندر طلبہ تحریک کو منظم کرنے میں بڑی مدد ملتی ہے، یہیں پر تمام کالجوں، اداروں اور یونیورسٹیوں کے طلبہ کے قائدین کی میٹنگ ہوتی ہے، جہاں وہ اپنے کاموں کو ترتیب دیتے ہیں اور تجربات کا تبادلہ کرتے ہیں۔

طلبہ کے ہاسٹل میں کام کرنیکے سلسلے میں چند مشورے:

۱-طلبہ کے میدان میں کام کرنے والے افراد طلبہ اور طالبات دونوں کے ہر قسم کے ہاسٹل پر توجہ دیں، اس کے لئے منصوبے بنائیں، صلاحیتوں کا استعمال کریں اور وہاں تسلسل کے ساتھ کام کریں اور ان کی نگرانی کرتے رہیں۔

۲-طلبہ کے ہاسٹل کی نگرانی کے لئے ایک کمیٹی تشکیل دینا ضروری ہے، جو کاموں کا منصوبہ تیار کرے، طلبہ کے حالات سے مطلع ہو، کام کے نفاذ اور اس انتظام کی نگرانی کرے اور اس کے نتائج وثمرات حاصل کرے۔

۳-طلبہ کے ہاسٹل میں کام کرنے کے منصوبوں میں مندرجہ ذیل مقاصد پر توجہ دینا ضروری ہے:

☆ تربیتی کام: شخصیت کی تیاری اور افکار وخیالات کا تبادلہ۔

☆ صلاحیتوں، خوبیوں اور قابلیتوں کا انکشاف اور ان کو استعمال میں لانا۔

☆ طلبہ اور معاشرے کے قائدین کی تشکیل۔

☆ کام کو وسعت دینا اور وسیع اجتماعی تعلقات کا جال بچھانا، جس میں تمام علاقوں، شہروں اور دیہاتوں، تمام ثقافتی وتہذیبی اور اجتماعی معیاروں اور تمام فکری رجحانات کے طلبہ شامل ہوں۔

۴-طلبہ کے ہاسٹل میں طلبہ کو تحریک کے تمام وسائل اور کاموں میں شریک کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے انفرادی کاموں کو بھی مرتب کرنا ضروری ہے، جس میں ان کی خصوصیات اور امتیازات کو مدنظر رکھا جائے، پڑھائی کے بعد کمروں میں گزرنے والے ان اوقات کو کام میں لایا جائے اور طلبہ کے جمع ہونے کی جگہوں مثلاً: کینٹین، کھیل کے میدان، مساجد اور لائبریریوں پر بھی توجہ دینا ضروری ہے۔

۵-طلبہ کے ہاسٹل میں کام چھٹیوں میں بھی جاری رہنا چاہئے، طلبہ تحریک کے ذمہ دار ہوسٹل میں رہنے والے طلبہ کے ساتھ خصوصی اسفار، کیمپ اور گرمی کے پروگرام مرتب کریں، اسی طرح طلبہ کے ساتھ ان کے آبائی علاقوں میں جاکر ملاقات کرنے پر بھی توجہ دینا چاہئے۔

۶-طلبہ تحریک کے میدان میں کام کرنے والوں کو طلبہ میں پھیل کر ان کے ساتھ مضبوط اور پائیدار تعلقات استوار کرنا چاہئے اور طلبہ کے جمع ہونے کی جگہوں پر اپنے اوقات گزارنے چاہئے۔

۷-اس میدان میں کام کرتے وقت صلاحیتوں اور خوبیوں کے انکشاف، ان کو ترقی دینے، ان کی ہمت افزائی کرنے، ان کی صحیح

رہنمائی اور طلبہ تحریک کے مفادات کے مطابق ان سے استفادہ کرنے پر توجہ دینا ضروری ہے، اسی طرح طلبہ کے قائدین کی تیاری اور ان کی تربیت پر توجہ دینی چاہئے۔

۸- ہوسٹلوں میں رہنے والے طلبہ چھٹیوں میں یا فراغت کے بعد اپنے اپنے علاقوں میں چلے جاتے ہیں، اسی وجہ سے طلبہ تحریک صحیح فکر کی نشر واشاعت، صالح اصول ونظریات اور بنیادوں کو پھیلانے اور عمل واصلاح پر طلبہ کی ہمت افزائی کرنے پر توجہ دیتی ہے، طالب علم کی صحیح اور بہترین تربیت کرنے، اس کی رہنمائی کرنے اور کاموں کے لئے اس کو سرگرم بنانے کی صورت میں اس کے ملک، شہر یا گاؤں میں اصلاح وعمل کا آغاز ہوسکتا ہے، کیونکہ یہ طلبہ اپنے علاقوں میں جاکر ان ہی کاموں کو انجام دیں گے۔

۹- طلبہ کے ہاسٹل میں طلبہ تحریک طلبہ کی مشکلات اور ان کے جائز مطالبات پر توجہ دیتی ہے، ان کے یومیہ مسائل حل کرتی ہے، ہوسٹلوں کے اندر اور باہر رفاہی کاموں میں حصہ لیتی ہے، بلکہ اس کام کی قیادت کرتی ہے اور اس میں پہل کرتی ہے۔

۱۰- ہوسٹلوں میں رہنے والے طلبہ اور طالبات میں علمی تفوق وامتیاز رکھنے والوں کی ہمت افزائی کی جائے، علمی تحقیق کے لئے امداد وتعاون فراہم کیا جائے، مذاکرہ اور ترقی کے لئے مناسب ماحول بنایا جائے اور اس میدان میں طلبہ تحریک کے قائدین کے بہترین نمونوں کو پیش کیا جائے۔

(۵) تدریسی عملے:

تدریسی عملہ کو تعلیمی وتربیتی کاموں کا جزء لاینفک سمجھا جاتا ہے بلکہ وہ اس کے قائد اور سنگ بنیاد ہیں، ایک پہلو سے ان کی طرف سے طلبہ تحریک کی ہمت افزائی اور اس کی رہنمائی اور دوسرے پہلو سے تحریک کے دفاع اور حمایت میں ان کی اہمیت سے کسی کو انکار نہیں ہے، ان تمام اسباب کی بنا پر ہم چاہتے ہیں کہ اس موضوع کو دو پہلوؤں اور زاویوں سے بیان کریں:

پہلا پہلو: تدریسی عملہ کے تئیں طلبہ کا رول۔

دوسرا پہلو: طلبہ تحریک میں تدریسی عملہ کا رول۔

۱- تدریسی عملہ کے تئیں طلبہ کا رول:

طالب علم کا تدریسی عملہ کے ساتھ برتاؤ استاذ کے ساتھ شاگرد اور والد کے ساتھ اولاد کے برتاؤ کی طرح ہی ہوتا ہے، وہ اس کی عزت واحترام کرتا ہے، اس سے محبت کرتا ہے، اس سے قریب ہوتا ہے، اس کے علم اور تجربات سے استفادہ کرتا ہے، ہر موقع اور ہر مشکل گھڑی میں اس کی نصیحت ومشورہ اور رہنمائی کا طالب ہوتا ہے۔

تدریسی عملے کے سلسلہ میں طلبہ تحریک کا یہی نظریہ ہے، طلبہ تحریک کا یہ ایک اہم جزء ہے، ان سے طلبہ تحریک کا تعاون، ہمت افزائی اور رہنمائی ہوتی ہے، اسی وجہ سے طلبہ تحریک کے میدان میں کام کرنے والوں کے لئے تدریسی عملہ میں کام کرنے میں بڑی جدوجہد اور محنت کرنا، اپنے اساتذہ میں طلبہ تحریک اور اس کے مطالبات کے سلسلے میں تعاون کرنے والوں کی تعداد میں اضافہ کرنے کی طرف توجہ دینا بھی ضروری ہے، اس کے لئے مندرجہ ذیل امور پر توجہ دی جانی چاہئے:

☆ تدریسی عملہ کے ساتھ ملتے رہنا چاہئے، چاہے وہ کالجز اور یونیورسٹیوں کے منتظمین میں ہوں یا کسی انتظامی عہدہ پر فائز نہ ہوں، ان کے ساتھ پائیدار تعلقات قائم کرنے چاہئے اور طلبہ سے متعلق امور میں ان سے مشورہ کرنا چاہئے۔

☆ اساتذہ کا احترام اور ان کی عزت کرنا اور ان کے مرتبے کے مطابق ان کے ساتھ پیش آنا چاہئے، افکار وخیالات میں اساتذہ کے ساتھ کتنا ہی شدید اختلاف کیوں نہ ہو، ان کے ساتھ بے ادبی سے پیش نہیں آنا چاہئے۔

☆ انجمن کی مختلف کمیٹیوں میں تدریسی عملہ کی بڑی تعداد کو شامل کرنا اور طلبہ تحریک کے تحریکی گروپوں اور علمی اداروں اور اس کے علاوہ طلبہ تحریک کے دوسرے اداروں کا ان کو نگراں بنانے کی کوشش کرنا چاہئے۔

☆ طلبہ تحریک کی منصوبہ بندی اور اس کی پالیسیوں اور منصوبوں کی تیاری میں تدریسی عملہ کے بعض اراکین کو شامل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

☆ طلبہ کی سرگرمیوں: اسفار، کیمپوں، ورزشی پروگراموں، نمائشوں اور سیمیناروں وغیرہ میں تدریسی عملہ کے بعض افراد کو شریک کرنا چاہئے۔

☆ انفرادی اور اجتماعی مختلف وسائل کے ذریعہ طلبہ تحریک، اس کے انتظام اور پالیسیوں کے بارے میں اساتذہ کے افکار وخیالات سے مطلع ہونا اور ان کے مشوروں اور تجربات سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرنی چاہئے۔

☆ طلبہ تحریک اور علم کے حصول میں اس طور پر توازن قائم کیا جائے کہ طلبہ تحریک کی طرف سے ممتاز طلبہ کی ایک مناسب تعداد کا انتخاب کیا جائے، جن میں سے اکثروں کو تدریسی عملہ کے اراکین میں شامل کرنے کی کوشش کی جائے۔

☆ تدریسی عملہ کے اراکین کے مفادات کو پورا کرنے میں تعاون کرنا، طلبہ تحریک کے تمام امکانات ووسائل کو ضرورت کے وقت ان کے تصرف میں دینا اور ان کی تنظیموں اور اداروں کے ساتھ مضبوط تعلقات قائم کرنا چاہئے بلکہ ہمیشہ منصوبوں اور مقاصد و پالیسیوں میں یکسانیت پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

☆ ایک پہلو سے طلبہ تحریک کے تمام رجحانات اور اداروں اور دوسرے پہلو سے انفرادی، اجتماعی اور جماعتی شکل میں تدریسی عملے کے اراکین میں پائے جانے والے مختلف نظریات کو قریب کرنے اور فکری اختلافات کو دور کرنے اور مشترکہ کام کے مواقع پیدا کرنے کے مقصد کے حصول کیلئے تبادلہ خیال کے ذریعے مضبوط اور دائمی تعلقات بنائے رکھنا چاہئے۔

☆ حکومت اور اس کے اداروں یا معاشرے کے مختلف اداروں یا سیاسی جماعتوں یا کالجز اور یونیورسٹیوں کے منصوبوں کی تیاری میں شریک تدریسی عملہ کے بااثر اور مرکزی عہدوں پر فائز افراد کے ساتھ بہترین تعلقات قائم کرنے کی کوشش کرنی چاہئے کیونکہ اس طرح طلبہ تحریک کے لئے ان کی دلچسپی اور ان کا تعاون حاصل کیا جاسکتا ہے، اور ان کے ساتھ افکار وخیالات کا تبادلہ کیا جاسکتا ہے، طلبہ تحریک کے ذمہ داروں اور ان جیسے تدریسی عملہ کے افراد کے ساتھ ذاتی تعلقات کے قیام کی بھی کوشش ہونی چاہئے۔

(۲) طلبہ تحریک میں تدریسی عملے کا رول:

طلبہ کے علمی، اخلاقی یا عملی ہر ایک میدان میں تدریسی عملہ اہم کردار ادا کرتا ہے، دوسرے پہلو سے طلبہ تحریک کو صحیح سمت دینے، اس کی رہنمائی کرنے، اس کی حمایت کرنے اور اس کے دفاع میں تدریسی عملہ اور اس کی مختلف تنظیموں کا اہم رول ہوتا ہے اگر ہم پوری وضاحت اور باریکی کے ساتھ بیان کریں تو کہہ سکتے ہیں کہ طلبہ اور طلبہ تحریک میں تدریسی عملہ مندرجہ ذیل مختلف میدانوں کے ذریعے اہم کردار ادا کرسکتا ہے:

(۱) اخلاقی میدان:

استاد کے معاملات ہمیشہ سب کے سامنے رہتے ہیں، طلبہ کو دیکھتے ہیں اور اس کو اپنے لئے نمونہ اور اعلی مثال سمجھتے ہیں اور اس سے متأثر ہوتے ہیں، چاہئے یہ عمل علمی پہلو سے مربوط ہو یا ذاتی یا فکری یا تربیتی ہو، مندرجہ ذیل امور بہت اہم ہیں:

☆ عام طور پر پابندی، خصوصا اوقات اور محاضرات کے متعین اوقات کی پابندی۔

☆ کتابوں کی قیمت میں اضافہ نہ کرنا۔

☆ علیحدہ چند طلبہ کو پڑھانے سے اجتناب کرنا۔

☆ واسطے اور ذریعے کو قبول نہ کرنا اور تمام طلبہ کے مابین مساوات کرنا۔

☆ امتحانات میں انصاف کرنا اور کسی کے ساتھ رعایت نہ کرنا۔

☆ عام ومناسب اور بہترین اخلاق کا مظاہر کرنا۔

☆ گفتگو کے آداب کا لحاظ رکھنا اور طلبہ کا مذاق اڑانے سے اجتناب کرنا۔

طلبہ کے خیالات کا احترام کرنا اور نظریات کو اظہار کرنے کی ہمت افزائی کرنا۔

(۲) علمی میدان:

اس میدان میں تدریسی عملہ کا رول سب سے بڑا ہے، اس میدان میں جن امور کی کوشش کرنی چاہئے ان میں سے اہم مندرجہ ذیل ہیں:

ہر سال شروع میں تدریسی مواد کی تعیین۔

مذاکرہ کے اسلوبوں اور طریقوں کے بارے میں طلبہ کو مشورے دینا۔

یونیورسٹی کی کتابوں اور نوٹس کو درآمد کرانے میں تاخیر نہ کرنا اور اس کو تجارت بنانے اجتناب کرنا۔

سال کے اختتام سے بہت پہلے ہی مقررہ کورس کو پورا کرنا، تاکہ امتحانات سے پہلے مذاکرہ کے لئے وقت ملے۔

علمی مواد کے لئے بہترین اور پختہ تیاری۔

تعلیمی وسائل سے زیادہ سے زیادہ استفادہ۔

تبادلہ خیال اور مناقشے کے اسلوب کا استعمال اور مناقشے کی ہمت افزائی۔

طلبہ میں بہترین تربیتی، اخلاقی اور فکری پہلوؤں کو پیوست کرنے کے لئے نصاب تعلیم کے مشمولات سے استفادہ۔

(۳) خدمت کا میدان:

یہ اہم میدان ہے جس میں استاد طلبہ سے قریب ہوتا ہے اور خدمت کے ذریعہ دوسروں کو فائدہ پہنچانے کا بہترین نمونہ پیش کرتا ہے، مثلاً:

مشکل مضامین کی تشریح کے لئے اضافی محاضرات۔

محتاج اور نادار طلبہ کے لئے نوٹس کی مفت فراہمی۔

طلبہ کی مشکلات کو حل کرنے کی کوشش۔

گرمیوں کی چھٹی میں بعض طلبہ کو کام کے مواقع فراہم کرنا۔

طلبہ کے جائز مطالبات کو انتظامیہ کے سامنے پیش کرنا۔

محتاج طلبہ کو زکاۃ اور صدقات کا ایک حصہ دینا۔

ممتاز طلبہ کو اساتذہ کے لئے مختص علمی مکتبے سے استفادہ کی اجازت دینا۔

(۴) طلبہ تحریک کا میدان:

طلبہ کی مختلف سرگرمیوں میں شرکت کی کوشش کرنا۔

انجمن کی مختلف کمیٹیوں میں حصہ لینا۔

تحریکی گروپوں اور علمی اداروں کی نگرانی۔

تدریسی عملے کے اپنے دیگر ساتھیوں کو طلبہ کی سرگرمیوں کا تعاون کی ترغیب دینا۔

ثقافتی اور علمی سرگرمیوں میں شرکت مثلاً محاضرات، علمی مجالس وغیرہ۔

معاشرے کی مشکلات سے طلبہ کو واقف کرانا اور ان کے ساتھ اوپن مناقشے کرنا۔

افکار وخیالات، مشوروں ورہنمائیوں کو پیش کرکے اور منصوبوں وپروگراموں کو ترتیب دینے میں شریک ہوکر طلبہ تحریک کی ترقی میں حصہ لینا۔

علمی تخصصات کی طرف ممتاز طلبہ کی رہنمائی کرنا، جس سے ان کو سب ٹیچر کے طور پر تعیین کے مواقع فراہم ہوں اور تدریسی وتربیتی اعتبار سے ان پر توجہ دینا اور ان کا تعاون کرنا۔

طلبہ کے قائدین اور ذمے داروں کو تیار کرنے میں حصہ لینا۔

تمام نظریات کے حامل طلبہ کے ساتھ تعلقات رکھنا اور ان کے ساتھ تبادلہ خیال کا ماحول بنانا۔

طلبہ کے حقوق کا دفاع کرنا اور ان کے مطالبات کی حمایت کرنا۔

طلبہ تحریک کو فائدہ پہنچانے کے لئے کالج، یونیورسٹی اور حکومت میں انتظامی عہدوں میں طلبہ کو نوکری دلانا۔

❁❁❁❁

دعوتِ دین

اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت

محمد مسعود عزیزی ندوی

اللہ تعالی کی محبت اوراس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت انسانی زندگی کی کامیابی کی شاہ کلید ہے، اس لئے کہ جس قدر جس آدمی کی زندگی میں اتباع رسول ہوگی، اسی قدر اس کی زندگی میں محبت الٰہی ہوگی، اور یہ معیار خود اللہ تعالی نے قرآن کریم میں متعین فرمایا ہے، ارشاد ربانی ہے: "قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَیَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ" اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ تعالی سے محبت کا دم بھرتے ہو، تو میری اتباع کرو، اللہ تعالی تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔

ایک دوسری جگہ اللہ تبارک وتعالی ارشاد فرماتا ہے: "وَالَّذِیْنَ آمَنُوْٓا أَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ" اور جو لوگ ایمان لائے وہ خدا سے سب سے زیادہ محبت رکھتے ہیں، اس آیت کریمہ میں اللہ کی محبت ایمان کی سب سے بڑی علامت بتائی گئی ہے، یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی محبت الٰہی میں سرشار تھی اور آپ یہ دعا فرمایا کرتے تھے: اے اللہ! تو اپنی محبت کو میری جان سے میرے اہل وعیال سے اور ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ مجھے محبوب بنا۔

اہل اللہ حضرات نے لکھا ہے کہ انسان کی پیدائش کا سب سے بڑا مقصد اللہ رب العالمین کی محبت ہے، یعنی اللہ کی محبت انسانی زندگی کا راز ہے، اگر محبت الٰہی کی آگ دل میں نہ ہو تو وہ گوشت کا ایک بے جان سا ٹکڑا ہے، اگر اس میں محبت الٰہی اور عشق خداوندی کی گرمی ہے تو دل انوار ربانی کا مرکز بن جاتا ہے، اللہ کی محبت ہی سے عاشقوں کے دل صحیح وسالم رہتے ہیں، اور اللہ کی محبت کے سوا یہ دل محض خون سے بھرا ہوا جسم کا ایک ٹکڑا ہے اور کچھ بھی نہیں، محبت کے معنی یہ ہیں کہ ہمیں اللہ کے لیے مرنا اور اللہ کے لیے جینا آجائے، اس کا مطلب یہ نہیں کہ انسان دنیا ومافیہا سے بالکل قطع تعلق کرے اور ایک گوشہ تنہائی میں بیٹھ کر عبادت کرنے لگے بلکہ دنیاوی تمام تعلقات کے ہجوم میں رہ کر اپنے معبود حقیقی کو نہ بھولے، اللہ کی دی ہوئی نعمت سے دنیا میں فائدہ اٹھائے، شادی بھی کرے، کھائے پیئے بھی، اللہ کی مخلوق سے بھی ملے، بازار سے سودا سلف بھی لائے، تجارت اور کاروبار بھی کرے؛ لیکن اس طرح کے ہر کام میں اللہ تعالی کی رضامندی اور خوشنودی مطلوب ہو، دنیا کی محبت وزیبائش اور اس کے نقش ونگار دل میں جگہ نہ کرنے پائیں، جب یہ تمام چیزیں پیدا ہو جائیں گی تو حقیقی زندگی حاصل ہو جائے گی۔

جن بندوں کے دلوں میں اللہ کی محبت گھر کر لیتی ہے، انہیں ہر وقت یہ دھن لگی رہتی ہے کہ اللہ کی رضا کس طرح حاصل ہو، وہ صبح وشام کثرت سے اپنے رب کو یاد کرتے ہیں، کبھی رکوع میں جھکے ہوتے ہیں اور کبھی سجدے میں پڑے ہوئے نظر آتے ہیں، دنیا میں مسافر کی طرح زندگی گزارتے ہیں، دنیاداروں سے زیادہ میل جول اور فضول گفتگو نہیں کرتے، اپنے مولائے حقیقی کی یاد میں دنیا کی لذتوں اور آسائشوں کو خیر باد کہہ دیتے ہیں، انہیں دنیا کی لذتیں مردار کے مانند دکھائی دیتی ہیں، دنیا کی زیبائش انہیں ویران نظر آتی ہے، وہ زبان حال سے کہتے ہیں: ؎

رنگ رلیوں پہ زمانے کی نہ جانا اے دل
یہ خزاں ہے جو بانداز بہار آتی ہے

خدا کی محبت حاصل ہونے سے آدمی ہر قسم کے آداب واخلاق سیکھتا ہے، مخلوق کے ساتھ حسن سلوک اور شفقت کا برتاؤ کرتا ہے، اپنی

مرضیات اور خواہشوں کو اللہ کی مرضی کے تابع بنا دیتا ہے، اس کا دل یاد الٰہی سے زندہ رہتا ہے، کبھی مردہ نہیں ہوتا، وہ خدا کی محبت میں دیوانہ اور اس کا غلام نظر آتا ہے، محبت سے ساری تلخیاں شیریں ہو جاتی ہیں، محبت سے تانبا سونا ہو جاتا ہے، خدا کی محبت سے مردہ دل زندہ ہو جاتا ہے، محبت سے بادشاہ غلام بن جاتا ہے، جس کو اللہ تعالی اپنا بنالیتا ہے، اس کو دنیا سے بے رغبت فرما دیتا ہے۔

اللہ کی محبت ایک ایسی چیز اور ایک ایسا جوہر ہے جس کے ذریعہ انسان اپنے خالق و مالک سے سب کچھ حاصل کر سکتا ہے، اگر انسان کو اس سے حقیقی محبت حاصل ہو جائے، تو سب کچھ اسی کا ہے، سچ ہے: "مَنْ كَانَ لِلّٰهِ كَانَ اللّٰهُ لَهُ" جو اللہ کا ہو گیا تو اللہ اس کا ہو گیا۔

لیکن اس کے ساتھ یہ ضروری ہے کہ ہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی محبت کریں؛ کیونکہ اصل کامیابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت وتعلق اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے میں ہے، اس لیے ؎

خدا کا ماننے والا مسلماں ہو نہیں سکتا
بجز حب نبی کامل ایماں ہو نہیں سکتا

کیونکہ انسان صرف اللہ کی محبت، اللہ کی وحدانیت کا یقین رکھنے سے اور صرف اللہ کو ماننے سے مسلمان نہیں ہو سکتا، اس لیے کہ اس وقت دنیا میں جتنی بھی قومیں آباد ہیں، جتنے بھی افراد اور جتنے بھی انسان ہیں، وہ سب اللہ کا اقرار کرتے ہیں، سوائے دہریوں کے، وہ کسی کو نہیں مانتے، اللہ کا تصور ان کے یہاں نہیں، باقی جتنی بھی قومیں ہیں، وہ سب مانتی ہیں کہ کوئی ضرور ہے، جو نظام کائنات کو چلا رہا ہے۔

اللہ تبارک وتعالی کی فرمانبرداری کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ضروری ہے، اس لیے اگر ہماری محبت اللہ کے ساتھ اس کے رسول سے بھی ہوگی، تو ہم کامیاب ہوں گے اور ہمارا دین اور ہمارا ایمان مکمل کہلائے گا، برخلاف اس کے کہ اگر ہم نے صرف خدا کو مانا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع نہ کی، اور آپ کی اطاعت نہ کی تو ہم ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتے۔ ؎

محمد کی اطاعت دین حق کی شرط اول ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور آپ کی اطاعت کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہو سکتا، حق جل مجدہ کا یہ ارشاد گرامی گزر چکا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان لوگوں سے کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت کا دم بھرتے ہو اور یہ کہتے ہو کہ مجھے اللہ سے محبت ہے، تو تمہارا دعوی اس وقت تک جھوٹا ہے، تم اپنے دعوے میں اس وقت تک پکے نہیں ہو، جب تک کہ تم میری اتباع نہ کرلو، میری پیروی نہ کرلو، یعنی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع، تو جب اللہ کے رسول کی اتباع کرلو گے تو سمجھا جائے گا کہ تمہیں اللہ سے سچی محبت ہے۔

کوئی آدمی کسی سے محبت کا دعوی کرے، اور کہے کہ مجھے آپ سے بہت محبت ہے، اور ملاقات کیلئے آتا نہیں، تو آپ سمجھیں گے کہ وہ اپنی محبت کے دعوے میں جھوٹا ہے، واقعی اگر آپ اللہ سے سچی محبت کا دعوی کرتے ہو، تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری اور مکمل اتباع کرو، ان کے بتائے ہوئے احکام پر عمل کرو اور جس چیز سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم منع کریں اس سے رک جاؤ، ارشاد ربانی ہے: "مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ، وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا" کہ جس چیز کا تمہیں رسول صلی اللہ علیہ وسلم حکم دیں تو اسے لے لو، اسے اختیار کرلو اور جس چیز سے روکیں اس سے باز آجاؤ، اسی طرح اللہ تعالی نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا: "لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ" اللہ کے رسول کی زندگی میں تمہارے لیے اسوہ ہے، آئیڈیل (IDEAL) ہے، جب تم میرے رسول کی اتباع کروگے تو میں سمجھوں گا کہ تم کو مجھ سے محبت ہے۔

چونکہ قاعدہ ہے کہ آدمی جس سے محبت کرتا ہے تو اس کو اس کی ہر ادا، ہر چیز اچھی لگتی ہے، اور اس کو اختیار بھی کرتا ہے، یہ محبت کا اصول ہے کہ اس کی محبت ہمارے دلوں میں ہے، تو اگر ہم اللہ کے رسول سے سچی محبت کرتے ہیں، تو ہم چاہیں گے کہ ہم اسی طرح چلیں، جس طرح

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم چلتے تھے، ویسے ہی کھانا کھائیں جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھاتے تھے، ویسے ہی ہم سوئیں جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم سوتے تھے، ویسے ہی ہم غسل کریں جس طرح نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم غسل کرتے تھے، ویسے ہی ہم زندگی گزاریں جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم گزارتے تھے، یعنی ہم اپنے قول میں، اپنے عمل میں، اپنے فعل میں، اپنی نجی زندگی میں، ویسے ہی ہوں جیسے ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم تھے، جیسے آپ سوتے تھے، کھاتے تھے اور کرتے تھے ویسے ہم بھی کریں گے۔

ہمیں اگر کسی سے محبت ہے، تو بار بار اسی کا تذکرہ کرتے رہتے ہیں، اسی کا ذکر بار بار ہوتا ہے، کوئی بھی بات ہو، کوئی بھی مسئلہ ہو اور کہیں بھی موقع ملے تو ہم اسی کا تذکرہ کرتے ہیں، اور کسی نہ کسی بہانے سے اس کا تذکرہ کر کے اس کا نام لیا جاتا ہے، اور لطف حاصل کیا جاتا ہے، لیکن اگر ہمیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ویسے ہی محبت ہو جائے، تو کیا ہم اپنے حبیب کا ہر وقت ذکر نہیں کریں گے؟ کیا ہر وقت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر نہیں ہوگا؟ کیا آپ کے ذکر میں مزہ نہیں آئے گا، بلاشبہ ہمارے گھر میں اور ہماری زندگی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہوگا، اگر ہم کھیت میں کام کر رہے ہوں یا بازار میں ہوں، ہر وقت آپ کا تذکرہ ہوگا، چاہے دوکان میں کام کریں یا دفتر میں بیٹھے ہوں، ہر موقع پر انہیں کا خیال رہے گا، اور اگر ہم مجمع میں ہوں تب بھی انہیں کا خیال رہے گا کہ ہمارے نبی ایسا کرتے تھے، ہم بھی ایسا ہی کریں اور محبت کے بارے میں ہے: "حُبُّكَ الشَّيْءِ يُعْمِيْ وَيُصِمُّ" محبت آدمی کو اندھا اور بہرہ بنا دیتی ہے، اگر کسی سے آدمی کو محبت ہو جائے تو اس کے لیے مر مٹنے کو تیار ہو جاتا ہے۔

محبت رسول بھی ایسا جوہر ہے جس کے ذریعہ سے ایمان مکمل ہوتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لَايُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى أَكُوْنَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْن" تم میں سے کوئی کامل ایمان والا نہیں ہوسکتا جب تک کہ میری محبت تمہارے والدین اور تمہاری آل اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ نہ ہو یعنی کہ میں تمہارا محبوب، تمہارے گھر والوں سے اور تمہارے بال بچوں سے بھی زیادہ نہ بن جاؤں" اگر وہ تمہیں محبوب ہیں تو تمہارا ایمان کامل نہیں ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان کے کامل ہونے کیلئے یہ شرط ہے کہ سب سے زیادہ محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہونی چاہئے، اپنی بیوی یا اپنے بال بچوں، یا اپنے والدین اور اپنے قریب سے قریب تر آدمی سے بھی زیادہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہونی چاہئے، جب ایسی محبت ہو جائے گی تب ہمارا ایمان کامل درجہ کو پہنچے گا۔

اس لئے ہر کام میں حضور ہی کو اسوہ بناؤ، اور آپ کی مکمل اتباع کرو، حضور نے فرمایا: "لَايُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنُ هَوَاهُ تَبَعاً لِمَا جِئْتُ بِهٖ" تم میں کوئی مکمل مؤمن اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک کہ تمہاری خواہشات اور تمہارے کام سب میری خواہش اور مرضی کے مطابق نہ ہو جائیں۔

خلاف پیمبر کسے رہ گزید ❁ کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید

اگر منزل تک پہنچنا ہے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرو، کیونکہ جس کو جس سے محبت ہوتی ہے تو وہ ہر معاملہ میں اسی کی نقل کرتا ہے، اسی طرح کھاتا ہے جیسے وہ کھاتا ہے، اسی طرح پہنتا ہے، اسی طرح چلتا ہے اور اسی طرح زندگی بسر کرتا ہے، غرضیکہ اسی کی طرح ہر کام کرتا ہے، محبت کا تقاضہ تو یہی ہے، اور آج تو ہماری جان کا مطالبہ بھی نہیں ہو رہا ہے، جس طرح کے صحابہ کرام نے قربانی اور جان نثاری کے نمونے پیش کئے ہیں، بلکہ یہ کہا جا رہا ہے کہ جو آپ نے بتایا ہے اسے مان لو اور جس سے منع فرمایا ہے اس سے رک جاؤ۔

جب ہمارے اندر یہ چیز پائی جائیگی تو ہمارا ایمان مکمل ہو جائے گا اور ہماری دونوں جہاں میں کامیابی ہوگی، اللہ تعالی اپنی معرفت ومحبت اور اپنے حبیب کی سچی اتباع ومحبت عطا فرمائے۔

❁❁❁❁❁

سفرنامہ

ممبئی کے سفر کی کچھ یادگار باتیں

حمید اللہ قاسمی کبیر نگری

تمہید:

۷/جنوری ۲۰۱۶ء مطابق ۱۷/ربیع الاول ۱۴۳۷/ہجری جمعرات کے روز راقم کا اپنے ادارہ مرکز احیاء الفکر الاسلامی کے رئیس حضرت مولانا قاری مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی کے ہمراہ ممبئی جانا ہوا، ممبئی کا یہ سفر انتہائی اہمیت کا حامل رہا، ممبئی میں پندرہ روز قیام رہا، اس لئے اس سفر میں بعض اہم حضرات سے ملاقاتیں ہوئیں، جن میں بعض سے تبادلہ خیال بھی ہوا، کچھ تجربات اور معلومات بھی حاصل ہوئیں، سفر کی کچھ یادگار باتیں قارئین کی نظر کی جارہی ہیں شاید کسی کیلئے دلچسپی کا باعث ہو، ممبئی شہر کو ''عروس البلاد'' کہا جاتا ہے، عام طور سے اس شہر میں ذمہ داران مدارس اور سفراء حضرات حصول زر کی خاطر سفر کرتے ہیں، جبکہ دوسرے حضرات اپنے کاروبار کی خاطر وہاں کا سفر کرتے ہیں، بعض سیر وسیاحت کے لئے بھی وہاں کا رخ کرتے ہیں، ممبئی ایک سیاحتی وتجارتی قدیم شہر ہے، وہاں کی آب وہوا عام طور سے معتدل اور یکساں رہتی ہے۔

مولانا رشید احمد ندوی اور احمد مکلائی سے ملاقات:

۱۲/جنوری بدھ کے روز صوفی عبدالرحمٰن صاحب مرحوم کے صاحبزادے مولانا رشید احمد صاحب ندوی سے ملاقات ہوئی، انہوں نے ہمیں دوپہر کے کھانے پر مدعو کیا اور ایک ہوٹل میں اس کا نظم کیا، مولانا رشید احمد صاحب ندوی ایک متحرک عالم دین، بیباک اور جرات مند انسان، علماء نواز اور اہل علم کے قدرداں ہیں، ہمارے حضرت مفتی صاحب سے ان کا خاص تعلق ہے اور مولانا ہمارے ادارے میں دو مرتبہ تشریف بھی لا چکے ہیں، اسی طرح ہمارے ادارے کے محسن وکرم فرما جناب الحاج احمد مکلائی صاحب جو حضرت مفتی صاحب کے دوستوں میں سے ہیں، ان سے ملاقات کے لئے گئے، انہوں نے بڑی محبت کا اظہار کیا اور مدرسہ کے حالات دریافت کئے اور مدرسہ کے دیگر امور سے متعلق بھی باتیں کیں، وہ بھی نیک دینی جذبہ رکھنے والے اور ہمدرد انسان ہیں۔

تقدیر والی مسجد کرلا میں حضرت مفتی صاحب کا بیان:

۱۵/جنوری ۲۰۱۶ء جمعہ کے روز مولانا مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی مدظلہ العالی کا کرلا میں سی ایس ٹی روڈ پر واقع ''تقدیر والی مسجد'' میں ایک جامع خطاب ہوا، دراصل مسجد کے ایک کارکن جناب مولانا محمد مزمل ندوی نے حضرت مفتی صاحب سے درخواست کی کہ آج آپ تقریر بھی کریں اور جمعہ بھی پڑھائیں، مولانا محمد مزمل ندوی بڑے سادہ مزاج اور ہنس مکھ طبیعت کے انسان ہیں، بڑی محبت اور تعلق کا معاملہ کرتے ہیں، چنانچہ مولانا کی فرمائش پر مفتی صاحب نے جمعہ کی نماز سے قبل اسلام میں مکمل طور پر داخل ہونے کے سلسلہ میں ۲۵/منٹ تک خطاب کیا، اور لوگوں کو اللہ سے تعلق قائم کرنے اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرنیکی تاکید کی اور زندگی کے ہر شعبہ میں اسلامی ہدایات وتعلیمات پر عمل کرنیکی تلقین کی۔

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی سے ملاقات:

۱۷/جنوری ۲۰۱۶ء اتوار کے روز ممبئی کے علاقہ مدن پورہ میں واقع ''سہاگ پیلس'' میں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ اور صدر مسلم پرسنل لاء بورڈ سے ملاقات کی غرض سے جانا ہوا، سہاگ پیلس میں بہت سے علماء حضرات سے ملاقاتیں ہوئی، جن

میں مولانا واضح رشید حسنی ندوی، مولانا بلال عبدالحئ حسنی ندوی، مولانا محمود حسنی ندوی حضرت کے رفقاء سفر تھے، دیگر علماء میں مثلاً مولانا اسماعیل بھولا ندوی، مولانا عبدالرزاق ندوی، مولانا محمد عمر ندوی، مولانا محمد ابراہیم ندوی، مولانا رشید احمد ندوی، مولانا عمران صدیقی ندوی اور مولانا مزمل ندوی وغیرہ قابل ذکر ہیں، بعض علماء سے وہاں تبادلہ خیال بھی ہوا۔

پیام انسانیت کے جلسہ میں شرکت:

مغرب بعد پیام انسانیت کا ایک جلسہ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کی صدارت میں تھا، جس میں شرکت کا پروگرام بنا اور اس میں شرکت کے لئے ہمیں مولانا محمد ابراہیم صاحب ندوی اپنی گاڑی میں بٹھا کر جلسہ گاہ تک لے گئے، اللہ تعالی انہیں جزائے خیر عطا فرمائے، یہ پروگرام ممبئ کے علاقہ سی، ایس، ٹی اسٹیشن کے قریب واقع ''انجمن اسلام کریمی لائبریری'' میں منعقد ہو رہا تھا، جس میں شرکت کیلئے بہت سے دانشور حضرات آئے ہوئے تھے، پروگرام جس ہال میں منعقد ہو رہا تھا، اس کی دیواروں پر مجاہدین آزادی کی تصویریں بھی آویزاں تھیں، پروگرام کی افتتاحی نشست میں مولانا سید بلال عبدالحئ حسنی ندوی نے پیام انسانیت کے اصول وضوابط بیان کئے اور پیام انسانیت کا کام کیسے کیا جائے اس سلسلہ میں ہدایات دیں اور اپنے پرمغز بیان سے سامعین کو محظوظ کیا، اس کے بعد پیام انسانیت کے ایک فعال رکن مولانا جنید احمد ندوی اورنگ آبادی نے پیام انسانیت کے پلیٹ فارم سے جڑنے کے بعد کے اپنے بیتے ہوئے حالات اور تجربات کو بڑے اچھوتے انداز میں بیان کیا، پروگرام کے اختتام پر حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کا ایک جامع بیان ہوا اور آپ ہی کی دعا پر پروگرام کا اختتام ہوا، اس پروگرام کے کنوینر مولانا عمران صدیقی صاحب ندوی تھے، اگلے دن پھر ہم لوگ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی سے ملاقات کی غرض سے سہاگ پیلس گئے، حضرت مولانا سے تفصیلی ملاقات ہوئی، مزید اکابر علماء سے بھی ملاقاتیں ہوئی، جن میں مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی، مولانا عبدالاحد ازہری اور مولانا محمد اشفاق صاحب قاضی قابل ذکر ہیں، اس کے بعد حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کے ساتھ کھانا کھا کر واپس ہوئے۔

مولانا لقمان ندوی سے ایک ملاقات:

سفر کے دوران ممبئ میں مولانا محمد لقمان ندوی سے ملاقات ہوئی، مولانا بہت خوشدلی سے پیش آئے اور تفصیلی باتیں ہوئیں، مولانا محمد لقمان ندوی نے بہت سے واقعات بھی سنائے، انہوں نے بتایا کہ ایک دفعہ میرا سہارنپور جانا ہوا، جہاں پر محدث عصر حضرت مولانا محمد یونس صاحب ہیں، ان سے چونکہ میرا ایک والہانہ تعلق ہے، وہ اس طرح سے کہ جب میں ندوہ کا طالب علم تھا اور علیا درجہ میں پڑھتا تھا، اس وقت ندوۃ العلماء میں شیخ صاحب تشریف لائے تھے، ہماری جماعت کے تمام ساتھیوں نے مشورہ کیا کہ آج بخاری شریف کا درس شیخ یونس صاحب سے پڑھا جائے، لہٰذا ہم لوگوں نے ان سے جا کر کہا تو انہوں نے منع کر دیا، چنانچہ ہم لوگ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ حضرت آج ہم لوگ شیخ یونس صاحب سے بخاری شریف پڑھنا چاہتے ہیں، اس پر حضرت مولانا علی میاں ندوی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تم لوگ ان کو صرف بخاری شریف دکھادو، وہ خود پڑھانے کیلئے تیار ہو جائیں گے، پھر حضرت مولانا علی میاں ندوی نے سفارش کی، چنانچہ حضرت کے کہنے سے تیار ہو گئے اور درس گاہ میں پہنچ گئے، درسگاہ میں پہنچنے کے بعد ہم طلبہ سے مخاطب ہو کر کہا کہ ''تم لوگ بخاری پڑھو گے یا میری باتیں سنو گے'' اس پر کچھ ساتھیوں نے کہا کہ بخاری شریف پڑھیں گے؛ لیکن میں نے ہمت کر کے یہ کہہ دیا کہ ''حضرت! آج آپ کی باتیں سنیں گے، چونکہ میں نے سنا ہے کہ آپ کی ہر بات بخاری ہی ہوتی ہے'' چنانچہ شیخ یونس صاحب نے کہا کہ یہ بچہ ٹھیک کہہ رہا ہے اور میں باتیں ہی کروں گا، اس موقعہ پر تھوڑی دیر درسگاہ میں حضرت مولانا علی میاں ندویؒ بھی شامل درس رہے، اس کے بعد مغرب سے کچھ دیر پہلے تک درس دیتے رہے،

صرف نمازوں کیلئے اٹھتے تھے، ابھی باتیں ہو ہی رہی تھی کہ ہمارے بیچ مولانا مفتی عبدالرحمٰن ملی آ گئے، مولانا لقمان ندوی نے ہم لوگوں کا ان سے تعارف کرایا، مولانا بہت خوش ہوئے اور ہم لوگوں سے محبت وتعلق کا اظہار کیا، نیز مولانا بہت خوش مزاج اور اہم عالم دین ہیں۔

مولانا عبداللہ ندوی سے ایک ملاقات:

اگلے دن ہماری ملاقات مولانا عبداللہ ندوی سے ہوئی، ان کے کئی بھائی ہیں، جو الگ الگ ہوٹل چلاتے ہیں، مولانا عبداللہ ندوی نے بتلایا کہ ہمارے والد ''حاجی علاء الدین صاحب'' ممبئی میں ''ٹی اسٹال'' کے نام سے مشہور ومعروف تھے، والد صاحب تمام اکابر علماء دیوبند سے عقیدمندانہ تعلق رکھتے تھے، مزید انہوں نے یہ بھی بتلایا کہ ہمارے والد صاحب کی یہ خصوصیت تھی کہ بیک وقت چار بڑے اداروں کے مجلس شوری کے رکن تھے، جن میں دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارنپور، ندوۃ العلماء لکھنؤ اور تاج المساجد بھوپال ہیں، یہی نہیں بلکہ ہر ادارے کے مجلس شوری بننے میں الگ الگ دلچسپ واقعات بھی ہیں، دارالعلوم دیوبند کے بارے میں احقر خود گواہ ہے کہ ایک مرتبہ ہماری دکان پر دارالعلوم دیوبند کی جانب سے خط آیا، جس میں لکھا ہوا تھا کہ آپ کو دارالعلوم دیوبند کا مجلس شوری منتخب کیا گیا ہے، لہٰذا آپ اس کو قبول فرمائیں، جس میں ایک متعینہ وقت تک جواب دینے کے بارے میں تحریر تھا، میں نے اس خط کو والد صاحب کو وقت متعینہ کے گزرنے کے بعد دیکھایا تو انہوں نے فوراً جواب لکھنے کو کہا کہ لکھ دو کہ احقر اس بارگراں کو برداشت کرنے کے قابل نہیں ہے کہ دارالعلوم جیسے بڑے ادارے کا ممبر بنوں؛ لیکن اکابرین کے اصرار نے والد صاحب کو مجلس شوری کا رکن بنا ہی دیا۔

مظاہر علوم کے ممبر شوری کے متعلق مولانا عبداللہ صاحب نے فرمایا کہ ایک دن نظام الدین دہلی سے حضرت مولانا عمر صاحب پالن پوریؒ کا فون آیا کہ حاجی صاحب کل صبح سہارنپور چلنا ہے، لہٰذا آپ جلد از جلد دہلی تشریف لے آئیں، چنانچہ والد صاحب مولانا عمر صاحب کے ساتھ سہارنپور گئے، اس دن مجلس شوری کی میٹنگ بھی تھی، اس میٹنگ میں حاجی صاحب بھی تھے، مولانا عمر صاحب نے حاجی صاحب سے کہا کہ آپ کو بھی مجلس شوری کا ممبر بننا ہے، تو انہوں نے انکار کر دیا کہ حضرت میں اس لائق نہیں ہوں، اس پر شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا رحمتہ اللہ علیہ نے کہا کہ یہ میرا حکم ہے، لہٰذا والد صاحب کو حضرت شیخ الحدیث کی بات کو ماننا پڑا، ایسے ہی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ اور تاج المساجد بھوپال کے متعلق والد صاحب کو اصرار کیا گیا، غرضیکہ ہمارے والد صاحب تمام اکابرین کی نظر میں بہت محبوب تھے، ایک دفعہ کی بات ہے کہ سہاگ پیلس میں مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں ندوی تشریف لائے، تو جہاں ممبئی کے سارے تاجر اور معتقدین حضرات حضرت مولانا سے ملنے گئے، وہیں ہمارے والد صاحب بھی ان سے ملنے کی خاطر گئے، حضرت مولانا علی میاں ندوی پلنگ پر بیٹھے ہوئے تھے اور معتقدین حضرات کی ایک جماعت ان کے پاس بیٹھی ہوئی تھی، والد صاحب کو دیکھ کر مولانا علی میاں ندوی نے فرمایا کہ حاجی صاحب آپ میرے پاس آ جائیں، تو والد صاحب اپنے آپ کو کمتر سمجھتے ہوئے نیچے ہی بیٹھے رہے؛ لیکن حضرت مولانا علی میاں ندوی نے کہا اگر آپ میرے پاس نہیں آئیں گے تو میں بھی نیچے بیٹھ جاتا ہوں، اتنا کہنا ہی تھا کہ پوری مجلس پر سکتہ طاری ہو گیا، اور حاضرین میں سے کسی نے حاجی صاحب کو اٹھا کر حضرت کے پاس بیٹھا دیا، الغرض اکابرین کی نظر میں آپ کا بہت اونچا مقام ومرتبہ تھا، ۱۹۸۸ء میں آپ کا انتقال ہوا، اور اپنے گاؤں پالن پور کے علاقہ میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔

مولانا اختر ندوی سے ایک ملاقات:

اس سے اگلے دن ہماری ملاقات مولانا عبدالقوی ندوی سے ہوئی، یہ مولانا اختر صاحب ندوی کے چھوٹے صاحبزادے ہیں، مولانا اختر صاحب ندوی ایک معمر اور قدیم ندوی فاضل ہیں، ندوۃ العلماء لکھنؤ میں یہ بات بہت مشہور ہے کہ ندوہ میں ایک وقت میں باپ اور

بیٹے نے داخلہ لیا اور تعلیم حاصل کی، ابھی تک تو ہم سنتے آ رہے تھے کہ آخر یہ کون لوگ ہیں، اتفاق سے اللہ تعالی نے ان سے ہماری ملاقات بھی کرادی، بیٹے کا نام افسر ندوی اور باپ کا نام اختر ندوی ہے، یہ دونوں حضرات ندوہ میں ایک ہی سال آئے اور داخلہ لیا اور تعلیم حاصل کی، راقم نے جب ان سے پوچھا کہ آپ کو اور آپ کے بیٹے کو کس چیز نے ندوہ آنے پر آمادہ کیا، تو انہوں نے بتلایا کہ دراصل ہمارے گاؤں میں بدعت کا ایک طوفان اور سیلاب تھا، ہمارا گھر بھی اسی میں ڈوبا ہوا تھا، ممبئ سے جب میں اپنے وطن جاتا تو بہت پریشان رہتا تھا، اس زمانے میں ممبئ میں آئے دن جلسے جلسوس ہوا کرتے تھے، جس میں اکثر علماء بریلوی ہی ہوتے تھے، میں اکثر جلسوں میں جایا کرتا تھا، ایک دفعہ سرخیل علمائے بریلوی مولانا حشمت علی نے اپنی تقریر میں علماء دیوبند کو بہت برا بھلا کہا اور گالیاں تک دی، یہ بات مجھے اچھی نہیں لگی، اس بات سے میں دل برداشتہ بھی ہو گیا اور اپنے اندر گھٹن محسوس کرنے لگا، یہی وجہ تھی کہ حق کی تلاش نے میری رات کی نیند اور دن کا سکون چھین لیا تھا کہ اتفاق سے کچھ دنوں بعد ہمارے علاقہ میں حضرت مولانا ابو الوفاء صاحب شاہجہاں پوریؒ کا خطاب ہوا، انہوں نے امت کی اصلاح اور فلاح و بہبودی کے عنوان سے تقریر کی، اسی دن سے میری طبیعت میں علماء دیوبند کی عقیدت و محبت رچ بس گئی، اور میں سمجھ گیا کہ حقیقی علماء امت یہی حضرات ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے مشن کو تھامے ہوئے ہیں، میں نے اسی وقت قصد کیا کہ اب ان کے مدرسہ میں جا کر تعلیم حاصل کروں گا، چنانچہ اگلے ہی سال کاروبار چھوڑ کر ندوہ میں جا کر داخلہ لیا اور پھر چھ مہینہ کے بعد اپنے بیٹے افسر کا بھی داخلہ کروایا اور ہم دونوں نے ندوہ میں ساتھ ہی ساتھ تعلیم حاصل کی، یہ ۱۹۶۱ء کی بات ہے، اور اب بھی میرے کچھ بھائی بدعت کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں، اللہ تعالی انہیں بھی ہدایت کی توفیق دے، اس دن دوپہر کو مولانا اختر ندوی صاحب کے صاحبزادے مولانا عبدالقوی صاحب نے پرتکلف دعوت بھی کی، چنانچہ ان کے دولت خانہ پر حاضری ہوئی اور ساتھ میں سب نے کھانا کھایا، بہت دیر تک باتیں ہوتی رہیں، مولانا عبدالقوی صاحب ہم لوگوں کو ایسا محسوس کر رہے تھے کہ گویا انہیں گھر کا کوئی فرد مل گیا ہو، اور انہوں نے بہت محبت کا اظہار کیا، یہی وجہ تھی کہ ہمیں رخصت کرتے وقت بھی وہ چاہ رہے تھے کہ مزید ہمارے پاس رہیں، اللہ تعالی ان سب کو اپنے شایان شان اجر عظیم عطا فرمائے۔

مولانا احمد علی ندوی سے ملاقات:

ایک روز مولانا احمد علی ندوی (خلیفہ حضرت مولانا منیر احمد صاحب بستوی) سے ملاقات ہوئی، مولانا ایک ندوی فاضل اور ذاکر و شاغل عالم دین ہیں، ماشاء اللہ بڑے اچھے انداز سے پیش آئے، دوپہر کا کھانا بھی ان کی مسجد میں کھایا، اس کے بعد انہوں نے کہا دو دن کے لئے میں یہاں نہیں ہوں، اس کے بعد انشاء اللہ آپ لوگوں سے ملاقات کروں گا، چنانچہ دو دن کے بعد وہ ہمیں اپنی آفس لے گئے، جہاں بہت دیر تک گفتگو ہوئی اور اپنی بعض کتابیں بھی پیش کی، نیز وہ ''فیضان حلیم'' کے نام سے ایک سہ ماہی رسالہ بھی نکالتے ہیں، اس کے چند شمارے بھی انہوں نے ہمیں پیش کئے۔

راشٹریہ سہارا کے اسسٹنٹ ایڈیٹر سے ملاقات:

ایک روز راشٹریہ سہارا کے اسسٹنٹ ایڈیٹر شیخ جاوید جمال الدین صاحب کا ہمارے مفتی صاحب سے فون پر رابطہ ہوا، انہوں نے اپنے گھر پر آنے کی دعوت دی، اور دوپہر کے کھانے کے لئے اصرار کیا، شیخ جاوید ہمارے مدرسہ کے مشفق و کرم فرما جناب شیخ عابد جمال الدین کے بڑے بھائی ہیں، دونوں بھائی بڑے مخلص، ہمدرد اور محبت و تعلق رکھنے والے بے تکلف دوست ہیں، شیخ جاوید جمال الدین حضرت مفتی صاحب کے مضامین بھی راشٹریہ سہارا ممبئ کے ایڈیشن میں شائع کرتے رہتے ہیں، چنانچہ ان کے گھر پہنچ کر ان کے ساتھ دوپہر کا کھانا کھایا، اور کچھ دیر بیٹھ کر بعض امور پر تبادلہ خیال بھی ہوا، ان کی کئی کتابیں اردو ہندی میں منصۂ شہود پر آ چکی ہیں، وہ ایک اچھے صحافی ہیں،

اس کے بعد وہ اپنے بھائی عابد جمال الدین کی خواہش پر ان کے گھر بھی ہم کو لے گئے، وہاں چائے نوش کی، اللہ تعالی دونوں بھائیوں کو ہر طرح کی ترقیات سے نوازے۔

دینیات کے شیخ الحدیث سے ملاقات:

فائن بچ میں دینیات کے شیخ الحدیث حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب پالن پوری سے ملاقات ہوئی، ان سے تبادلہ خیال ہوا، ان کیساتھ دوپہر کا کھانا کھایا، پھر انہوں نے ایک روز شام کو گھر پر پرتکلف دعوت کا انتظام کیا، اور بہت دیر تک ان سے گفتگو ہوتی رہی، حضرت مفتی صاحب سے ان کا خاص تعلق ہے، مولانا حفظ الرحمٰن صاحب صاحب تصانیف عالم ہیں، ان کو اچھا علمی ذوق ہے، بعض کتابوں کے سلسلہ میں بھی ان سے گفتگو ہوئی۔

بعض دوسرے مخلصین ومحبین سے ملاقاتیں:

اسی طرح مولانا محمد آصف صاحب ندوی نے بھی ایک دن دوپہر کے کھانے پر مدعو کیا اور بڑی محبت کا اظہار کیا، مولانا آصف ندوی بہت نیک اور خاموش مزاج انسان ہیں، وہ حضرت مفتی صاحب کے درسی ساتھی بھی ہیں، اسی طرح حضرت مفتی صاحب کے بڑے بھائی ڈاکٹر مرغوب عالم کے بھارت طبیہ کالج سہارنپور کے رفیق درس ڈاکٹر افتخار صاحب سے ملاقات ہوئی، انہوں نے بڑی محبت وتعلق کا اظہار کیا، انہوں نے کھانے کی دعوت بھی دی، مگر ان کا کھانا نہ کھا سکے، اسی طرح ہمارے قدیم اہل تعلق جناب الحاج انجینئر قمرالدین خانصاحب سے ان کی کمپنی بھانڈوپ میں ملاقات ہوئی، انہوں نے بڑی ہمدردی کا معاملہ کیا، ایک روز راقم کا الحاج امجد صاحب کے دولت خانہ میرا روڈ پر قیام رہا؛ لیکن وہاں حضرت مفتی صاحب طبیعت کی ناسازی کی وجہ سے نہ جاسکے، ایسے ہی ایک روز جامع مسجد ممبئی میں مغرب کی نماز پڑھنے کے بعد جامع مسجد کی لائبریری میں جانا ہوا، وہاں مفتی اشفاق صاحب قاضی ناظم لائبریری سے ملاقات ہوئی، وہ بھی بڑی محبت سے پیش آئے، انہوں نے بعض کتابیں بھی ہدیہ میں پیش کی، مولانا مفتی رضوان اللہ صاحب نے حسب سابق بڑی محبت کا معاملہ فرمایا، مولانا عمران سعید صاحب ندوی سے بھی ملاقات ہوئی، اور ان سے بھی مختلف امور پر گفتگو ہوئی، اسی طرح مولانا محمود الرحمٰن فاروقی ندوی سے بھی ملاقات وتعارف ہوا اور تبادلہ خیال بھی ہوا، اسی طرح قدیم ندوی فاضل مولانا محمد عمر صاحب ندوی سے بھی ملاقات ہوئی، انہوں نے بھی اچھے انداز میں ہماری رہنمائی کی، پھر مولانا مفتی ہارون صاحب ندوی سے ملاقات ہوئی، فیضان بھائی اعظمی سے بھی ملاقات ہوئی، اور انہوں نے پرتکلف دعوت کا انتظام کیا، پھر ایک روز اپنے دوستوں کا ایک وفد لیکر رات میں ملاقات کیلئے ہماری قیام گاہ پر حاضر ہوئے، سبھوں نے حضرت مفتی صاحب سے اپنے اپنے مسائل معلوم کئے اور دعاؤں کی درخواست کی، الحاج شکیل احمد صاحب نے بھی حسب سابق تعلق اور ہمدردی کا مظاہرہ کیا، حاجی عبدالرحمٰن صاحب عطر والوں سے ملاقات ہوئی اور حاجی عبدالحفیظ صاحب عطر والوں سے بھی ملاقات ہوئی، وہ بڑی خوش اسلوبی سے پیش آئے، مولانا نسیم صاحب سے بھی ملاقات ہوئی، اسی طرح الحاج مجیب اللہ چودھری سے ملاقات ہوئی، پھر اسماعیل سید صاحب سے ملاقات ہوئی، وہ حضرت مفتی صاحب کی کتابیں پڑھ چکے ہیں، انہوں نے پرتکلف دعوت کی اور ساتھ میں اپنے بے تکلف دوستوں سے بھی ملاقات کرائی، جن میں سید نذیر احمد صاحب قابل ذکر ہیں، سید نذیر صاحب ایک ملنسار اور خوش دل انسان ہیں، انہوں نے یہ بھی کہا کہ آپ لوگ جب بھی یہاں آئیں تو ہمارے اس ہوٹل میں ضرور کھانا کھائیں، اس سے ہمیں بہت خوشی ہوگی، اسی طرح ایک روز مدرسہ سراج العلوم بھیونڈی میں بھی ہمارا قیام رہا، عزیزم مولوی محمد شعیب سلمہ نے شام کے کھانے کا انتظام بھی کیا، اس طرح محبوب بھائی کے ہوٹل ''ڈیلکس'' میں پندرہ روز قیام کرکے ۲۴ر جنوری کو بخیر وعافیت واپس ہوئے، محبوب بھائی ہمارے دوستوں میں سے ہیں، انہوں نے ہمارے ساتھ بہت اکرام کا معاملہ کیا، اللہ تعالی تمام محبین، مخلصین اور متعلقین احباب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

حقائق

عالم برزخ کی حقیقت

قرآن وحدیث کی روشنی میں

مولانا محمد حذیفہ غلام وستانوی، جامعہ اشاعت العلوم اکل کوا، مہاراشٹر

قرآن وحدیث کے نصوص سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ انسان کو اپنی زندگی میں تین مراحل یا اَدوار سے سابقہ پڑتا ہے، جیسا کہ ''عقائد اہل سنت والجماعت'' کی سب سے معتبر ترین کتاب ''عقیدۃ الطحاویۃ'' کے مصنف محدث وفقیہ ابوجعفر الطحاویؒ تحریر فرماتے ہیں کہ "إن الدور ثلاثة دار الدنيا و دار البرزخ و دار القرار و قد جعل الله لكل دار احكاما تخصها و ركب هذا الانسان من بدن و نفس و جعل احكام الدنيا على الابدان و الارواح تبع لها و جعل احكام البرزخ على الارواح و الابدان تبع لها فإذا كان يوم حشر الاجساد و قيام الناس من قبورهم صار الحكم و النعيم و العذاب على الارواح و الاجساد جميعا"۔ (شرح العقیدۃ الطحاویۃ:۳۹۲)

اللہ جزاءِ خیر عطا فرمائے امام ابوجعفر طحاویؒ کو کہ آپ نے کتنے اچھے پیرائے میں انسان کے مراحل حیات اور اس پر مرتب ہونے والے احکامات کو بیان کیا، آپؒ فرماتے ہیں دار تین ہیں:

(۱) دارالدنیا
(۲) دارالبرزخ
(۳) دارالقرار

اللہ رب العزت نے ان میں سے ہر ایک دار کے لیے مخصوص احکام ٹھہرائے، دوسری جانب انسان کو بدن اور نفس سے مرکب پیدا کیا، دنیاوی احکام کو ابدان پر لازم کیا اور برزخ کے احکامات ارواح پر، اور جب قیامت قائم ہوگی تو بدن اور نفس دونوں کو یا جنت کی نعمتیں ملیں گی یا جہنم کا عذاب۔

ان تینوں مراحل حیات کو سمجھنے سے پہلے انسان کو خود اپنے آپ کو سمجھنے کی ضرورت ہے کیوں کہ جب خود اپنے آپ کو نہیں سمجھے گا تو کیسے وہ اپنے متعلقات کو سمجھ سکتا ہے؟۔

لہٰذا انسان کو یہ جان لینا چاہئے کہ اللہ نے دنیا میں کوئی چیز بے سود، بیکار بلا کسی غرض ومقصد کے نہیں پیدا کی، ہر چیز کی تخلیق کے پیچھے کوئی نہ کوئی مقصد، حکمت اور مصلحت کارفرما ہوتی ہے، اب جب ساری مخلوقات کو حضرت انسان کی خدمت کے لیے کسی نہ کسی مقصد سے پیدا کیا جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے:"خلق لكم ما فى السموات و الارض" تو ذرا غور کیجئے! خود انسان کی تخلیق کا مقصد کتنا عظیم ہوگا قرآن اسے بھی بیان کرتا ہے:"وما خلقت الجن و الانس الا ليعبدون" انسان اور جنات کو میں نے محض اپنی عبادت کی غرض سے پیدا کیا۔

اسی لیے انسانی زندگی اللہ کے نزدیک اس کی اہمیت کے پیش نظر بڑی ہی منظّم، مرتب اور مربوط ہے، اس کی زندگی کا کوئی مرحلہ عبث نہیں، اس کی نشو ونما بھی تدریجی، اس کی عقل بھی تدریجی، لہٰذا اللہ تک پہنچنے کے لیے اس کی زندگی بھی تدریجی، پہلے حیات دنیا جس میں وہ روح و بدن دونوں کی اصلاح کا مکلّف، اس میں بھی بدن اصل اور روح تابع، اگر اصلاح ہوگئی تو برزخ میں (جو تقرب الی اللہ اور جنت آخرت کی پہلی منزل ہے) روح کو سکون مل جائے گا اور بدن اس کے تابع ہوگا اور آخرت میں بدن اور روح یا تو نعمت کے لیے سزاوار یا عذاب کی امیدوار ہوگی، اب ہم یہاں انسان کی منزل ثانی برزخ کو قرآن وحدیث کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کریں گے۔

برزخ کی لغوی تعریف:

برزخ، لغت میں کہتے ہیں دو چیزوں کے درمیان حائل حجاب کو۔ (لسان العرب ابن منظور: ۱/۱۱۶)

برزخ کی اصطلاحی تعریف:

"مابین الدنیا و الآخرة من وقت الموت الی البعث فمن مات فقد دخل البرزخ" دنیا اور آخرت کے درمیان کی زندگی کو برزخ کہتے ہیں، یعنی موت سے لے کر قیامت تک کا مرحلہ۔ (الصحاح جوہری: ۱/۴۱۹)

برزخ کا ذکر قرآن میں:

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: "ومن ورائهم برزخ الی یوم یبعثون"۔ (سورۃ المومنون)

دوسری جگہ ارشاد ہے: "سنعذبهم مرتین ثم یردون الی عذاب عظیم"۔ (سورہ توبہ)

تیسری جگہ ارشاد ہے: "وان للذین ظلموا عذابا دون ذلك و لكن اكثرهم لا یعلمون"۔ (سورہ طور)

چوتھی جگہ ارشاد ہے: "ومن اعرض عن ذكری فان له معیشة ضنكا و نحشره یوم القیمة اعمی"۔ (سورۃ طہ)

ان آیات کریمہ میں سے بعض آیتیں صراحتاً حیاتِ برزخ پر دلالت کر رہی ہے اور بعض آیتیں اشارۃً حیات برزخ پر غمازی کرتی ہے۔

امام ابن القیم الجوزی فرماتے ہیں: یہ جان لینا چاہئے کہ عذاب قبر اور نعمتِ قبر درحقیقت عذاب برزخ اور نعیم برزخ ہی ہے اور اس سے کسی کو خلاصی اور نجات نہیں ہے، چاہے انسان کو جلا دیا جائے، چاہے درخت پر لٹکا دیا جائے اور اس کی راکھ کو ہوا میں اڑا دیا جائے یا کسی مومن صالح کو دہکتی ہوئی آگ میں ڈال کر مار دیا جائے، ہر ایک کو برزخ کے عذاب یا اس کی نعمتوں سے لامحالہ دوچار ہونا ہے، جیسا کہ بنی اسرائیل کے اس گناہ گار شخص کا واقعہ سے ثابت ہوتا ہے، جس نے اپنی اولاد کو جلا کر خاک کرنے اور پھر اسے ہوا میں اڑا دینے کی وصیت کی تھی، مگر اللہ نے ہوا اور سمندر کو حکم دے کر اسے زندہ کیا اور اس سے سوالات کئے، اگر کوئی برزخ کا انکار کرتا ہے تو گویا اللہ کی قدرت اور الوہیت کا انکار کر رہا ہے۔ (الروح: ۷۳)

عذاب قبر پر حضرت علیؓ کی بہترین دلیل:

ایک مجوسی امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس کے پاس تین مردہ سروں کی کھوپڑیاں تھیں، اس نے کہا، اے عمر! تمہارے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص اسلام کے سوا کسی دوسرے دین پر مرے گا وہ آگ میں جلایا جائے گا، اس مجوسی نے یہ آیت پڑھی: "النار یعرضون علیها غدوا و عشیا" صبح اور شام یہ لوگ آگ کے سامنے لائے جاتے ہیں۔ (کشف الرحمٰن)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بے شک ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان صحیح ہے، یہ سن کر اس مجوسی نے وہ تینوں سر نکالے اور کہا یہ سر میرے باپ کا ہے، یہ سر میری ماں کا ہے اور یہ سر میری بہن کا ہے، یہ تینوں مجوسی دین پر مرے ہیں، میں اپنا ہاتھ ان کی کھوپڑیوں پر رکھتا ہوں، تو مجھے گرمی محسوس نہیں ہوتی یعنی تمہارے پیغمبر کے قول کے مطابق ان کھوپڑیوں کو گرم ہونا چاہئے؛ کیونکہ یہ آگ پر پیش کی جاتی ہیں۔

یہ سن کر حضرت عمرؓ نے اپنے خادم کو بھیج کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بلایا، جب حضرت علی تشریف لائے تو حضرت عمرؓ نے مجوسی سے کہا کہ اچھا اب تو ذرا اپنے اعتراض کو دہرایئے، اس نے اعتراض دہرایا۔

اعتراض سن کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک لوہا اور پتھر منگوایا، جب حاضر کیا گیا تو آپ نے مجوسی سے کہا کہ تو اس لوہے اور پتھر پر ہاتھ رکھ کر بتا کہ گرم ہے یا سرد؟ مجوسی نے ہاتھ رکھ کر کہا، یہ تو سرد ہے، حضرت علیؓ نے پھر فرمایا اچھا تو لوہے کو پتھر پر مار، جب مجوسی نے لوہے کو پتھر پر مارا تو اس میں سے چنگاری نکل پڑی۔

اس پر حضرت علیؓ نے مجوسی کو مخاطب کر کے فرمایا، جس طرح اللہ

تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ٹھنڈے پتھر اور لوہے کے درمیان میں آگ پیدا کردی ہے، اسی طرح وہ اس چیز پر قادر ہے کہ جن کھوپڑیوں میں تجھ کو گرمی محسوس نہیں ہوتی ان کے اندر گرمی پیدا کردی ہو اور وہ تجھے محسوس نہ ہو رہی ہو، یہ کھوپڑیاں جن کو تو سرد محسوس کر رہا ہے ان کو اللہ تعالیٰ اس طرح آگ پر پیش کرتا ہے کہ تو ان گرمی محسوس نہیں کرتا، حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی آگ میں جلتی رہتی ہیں، یہ بات سن کر مجوسی لا جواب ہوگیا۔ (موت اور قبر کے حیران کن واقعات صفحہ ۳۲۶/ ۳۲۷)

برزخ کے سلسلہ میں اہل سنت والجماعت کا عقیدہ:

ہم مسلمان ہیں اللہ رب العزت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کچھ دے کر بھیجا ان تمام پر ایمان جازم، یقین پیہم رکھتے ہیں، عقل اسے تسلیم کرے یا نہ کرے، لہٰذا ہمارا عقیدہ ہے کہ قیامت قائم ہونے والی ہے، جنت اور جہنم برحق، حساب حق ہے، صراط حق ہے، اسی طرح برزخ اور عذاب قبر بھی برحق ہے، اگر کسی کو درندے بھی کھا جائے تو وہ برزخ سے چھٹکارا حاصل نہیں کرسکتا۔

عذابات قبر پر اکابرین کے تحقیقی دلائل:

حضرت علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ عذاب قبر کا ذکر قرآن وحدیث میں بہت جگہ آیا ہے، اس لیے یہ حق ہے اور دو فرشتوں کا مردوں سے سوال کرنا حق ہے اور اس پر ایمان لانا فرض ہے۔

حضرت ابوعبداللہؒ کا بیان ہے کہ قبر کا عذاب حق ہے، اس سے وہی شخص انکار کرسکتا ہے جو خود گمراہ ہو اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنے والا ہو، علامہ قرطبی اور حافظ ابن قیم رحمہما اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے کہ زندیق، بے دین اور ملحد لوگ عذاب قبر، قبر کی تنگی اور کشادگی کا انکار کرتے ہیں اور ان کا اعتراض یہ ہوتا ہے کہ جب ہم کسی قبر کو کھول کر دیکھتے ہیں تو نہ فرشتے مردے کو گرز سے مارتے ہوئے نظر آتے ہیں، نہ اس میں سانپ وغیرہ ہوتے ہیں اور نہ آگ نظر آتی ہے، مردہ اپنی اصلی حالت میں سویا رہتا ہے، جس حالت پر قبر میں سلایا گیا تھا اور قبر کا طول وعرض بھی وہی رہتا ہے جو دفن کرتے وقت تھا، اسی طرح سولی دیا گیا مردہ اور جانوروں کی خوراک بن جانے والا مردہ دونوں سے یہ سب سوال وجواب کب اور کیسے کیے جاتے ہیں؟ ان پر بے دینوں کا اعتراض ہے۔

علمائے حق نے اس کا جواب دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ بڑا ہی قادر ہے، اس نے مردوں کے احوال کو زندوں کی آنکھوں سے مخفی رکھا ہے، یہ بالکل اسی طرح ہے جیسے کہ فرشتے آتے جاتے ہیں؛ لیکن ہم ان کو نہیں دیکھ پاتے اور انبیاء علیہم السلام ان کو دیکھتے تھے، ان سے بات چیت کرتے تھے، بعض مرتبہ ایسا ہوا کہ جبرئیل علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتے جاتے تھے، وحی کا القاء کرتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے وحی لیتے اور حاضرین مجلس نہ ان کو دیکھتے تھے، اور نہ ان کی بات سنتے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ بصر وبینائی کی قوت ایک ایسی چیز ہے جو خدا کی قدرت میں ہے، انسان کو اس میں کچھ دخل نہیں ہے، اور اللہ ہی کی قدرت ہے کہ کبھی بہت بڑے مجمع کو تھوڑا کرکے دکھاتا ہے اور تھوڑی سی جماعت کو بہت زیادہ پیش فرمادیتا ہے، چنانچہ قرآن میں واقعہ بدر کے متعلق ہے: "واذ یریکموھم اذا التقیتم فی اعینکم قلیلا و یقللکم فی اعینھم لیقضی اللہ امرا کان مفعولا" "اور وہ وقت یاد کرو کہ جب تم بالمقابل ہوئے تو تمہاری آنکھوں میں دشمنوں کو تھوڑا دکھایا اور ان کی نگاہ میں تم کو زیادہ کرکے دکھایا تاکہ اللہ تعالیٰ کے اس کام کو پورا کرو، جس کا ہونا طے شدہ تھا"۔ (کشف الرحمٰن)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ بدر کے دن کفار ہماری نگاہوں میں تھوڑا کردیئے گئے، اسی دن کا واقعہ ہے کہ میں نے اپنے پاس کے ایک آدمی سے کہا کہ یہ کفار ہم کو ستر کی تعداد میں نظر آتے ہیں، اس نے کہا نہیں؛ بلکہ وہ سو کی تعداد میں ہیں؛ لیکن جب ہم نے کفار کے ایک آدمی کو پکڑ کر پوچھا تو اس نے بتایا کہ ہزار کی تعداد میں تھے، اللہ کی قدرت کا کرشمہ بدر کے دن یہ بھی دیکھنے میں آیا کہ شیطان لعین نے مسلمانوں کی طرف سے فرشتوں کو لڑتے ہوئے دیکھا اور

کافروں نے فرشتوں کو نہ دیکھا، چنانچہ حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ ابلیس قبیلہ بنی مدلج کے ایک آدمی کی صورت میں شیاطین کے گروہ کے ساتھ گروہ کفار میں آیا، اس کے پاس ایک جھنڈا بھی تھا، ابلیس نے کفار کو ہمت دلاتے ہوئے کہا، آج تم پر کوئی جماعت غلبہ نہ پا سکے گی، کیوں کہ تمہارا پشت پناہ میں ہوں۔

اسی دوران میں حضرت جبرئیل علیہ السلام ابلیس کی طرف متوجہ ہوئے، جب اس نے جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا تو پیٹھ پھیر کر بھاگا اور اس کے ساتھ شیاطین کا گروہ بھی بھاگ گیا، کفار نے ابلیس کو (جو آدمی کی صورت میں تھا) آواز دی کہ تم تو ہماری مدد کرنے کو کہہ رہے تھے، کیوں بھاگتے ہو؟ ابلیس نے کہا کہ میں وہ چیز دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے۔ (بیہقی)

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ عذاب قبر کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ''تم کو تصدیق کرنا چاہئے کہ قبر میں سانپ کاٹتے ہیں؛ لیکن ہم اور آپ اس کا مشاہدہ نہیں کر سکتے؛ کیونکہ ہماری آنکھیں ملکوتی امور کے مشاہدے کی قوت نہیں رکھتیں، جو چیز آخرت سے تعلق رکھتی ہے وہ عالم ملکوت سے ہے، تم سوچو کہ صحابہ کرامؓ نزول جبرئیل علیہ السلام پر کس طرح ایمان لاتے تھے، حالانکہ انہوں نے مشاہدہ نہیں کیا تھا، بس وہ ایمان محض اس دلیل سے لایا کرتے تھے کہ اگرچہ ہم جبرئیلؑ کو نہیں دیکھتے؛ لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کا مشاہدہ کرتے ہیں، اگر تم اس بات پر ایمان رکھتے ہو کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان چیزوں کا مشاہدہ کرتے تھے، جن کا ہم نہیں کر سکتے، تو اس پر بھی ایمان لانا ضروری ہے کہ قبر میں عذاب اور سوال و جواب برحق ہے، نیز جبرئیل کو بغیر دیکھے ہوئے اور بغیر آواز سنے ہوئے اگر وحی کے نزول پر صحابہؓ کے ایمان کی طرح تم بھی ایمان لاتے ہو تو قبر کے حالات پر ایمان لانا اس سے آسان تر ہے۔ (احیاء العلوم)

حضرت امام غزالیؒ نے ایک دوسری مثال سے بھی عذاب قبر کو ثابت کیا ہے، فرماتے ہیں کہ ایک شخص خواب کی حالت میں ہوتا ہے اور خواب میں سانپ دیکھتا ہے اور ڈستا ہوا دیکھتا ہے اور خواب میں ہی چیختا، چلاتا ہے، کبھی اس کی پیشانی عرق آلود ہو جاتی ہے اور کبھی اپنی جگہ سے حرکت بھی کرتا ہے، سونے والا جو کچھ ایذاء پاتا ہے اپنی جان پر پاتا ہے، اور خواب میں اس کا مشاہدہ بھی کرتا ہے، حالانکہ ہم اگر اس عالم میں سونے والے کو دیکھیں تو بالکل ساکن نظر آئے گا، نہ اس کے پاس کوئی سانپ نظر آئے گا اور نہ کوئی دوسری چیز نظر آئے گی، خواب میں وہ جو تکلیف محسوس کرتا ہے جاگنے والے کو اگر نظر نہ آئے تو اسے سمجھ لینا چاہئے کہ قبر میں مردے پر پڑتی ہے، اس کے ادراک سے زندوں کی نگاہیں عاجز ہیں، وہ ایک دوسرے عالم میں ہوتا ہے، اس عالم کے حالات کو زندوں کی نگاہوں سے مخفی رکھا گیا ہے، اور اس کے مخفی رکھنے میں اللہ تعالی کی بڑی بڑی حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ (احیاء العلوم)

حضرت امام غزالیؒ نے ایک تیسرا طرز بھی اختیار کیا ہے اور یہ بھی عذاب قبر کو ثابت کرتا ہے، آپؒ فرماتے ہیں کہ ''سانپ بذات خود ایذا نہیں پہنچاتا، بلکہ وہ زہر ایذا دیتا ہے جو سانپ سے تم کو پہنچتا ہے اور پھر بذات خود زہر موذی نہیں ہے، بلکہ موذی وہ اَلم و تکلیف ہے جو زہر سے تم کو پہنچتی ہے، بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ اصل ایذاء تو وہ ہے جو کہ سانپ کے کاٹنے سے پہنچتی ہے، اگر یہی اثر بغیر سانپ کے کاٹنے کے اور بغیر زہر کے حاصل ہو جائے تو اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں، لیکن اگر اس اثر کو بیان کیا جائے تو اسی وقت انسانوں کی سمجھ میں آ سکے گا، جبکہ اس کو کسی سبب کی طرف منسوب کر کے بیان کیا جائے، مثلاً یہ کہا جائے کہ فلاں کو اتنی تکلیف پہنچی، جیسے اس کو سانپ، بچھو نے کاٹ کھایا ہو؛ لیکن اصل تکلیف تو وہ ہے جس کو نہ ہماری آنکھ دیکھ سکتی ہے اور نہ ہم اس کا ادراک کر سکتے ہیں؛ اسی طرح عذاب قبر کا حال ہے کہ ہم اس کے ادراک سے عاجز و بے بس ہیں''۔ (احیاء العلوم)

حضرت حافظ ابن قیمؒ نے کتاب الروح میں عذاب قبر کو ثابت کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں وہ وہ مناظر پیدا کر دیئے ہیں کہ عذاب قبر سے بھی زیادہ عجیب و غریب ہیں، مثلاً

حضرت جبرئیلؑ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتے، کبھی آپ ان کو نہ دیکھتے نہ سنتے اور کبھی انسان کی شکل میں آتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح کلام کرتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب بیٹھنے والے بھی سن لیتے اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ قریب والے ان کی آواز نہ سنتے، نہ ان کو دیکھتے، کبھی کبھی جرس کی آواز کی طرح وحی آتی؛ لیکن اس کی آواز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا حاضرین میں سے کوئی نہ سنتا، یہ نوری مخلوق (جنات) ہمارے درمیان زور زور سے بات چیت کرتے ہیں؛ لیکن ہم ان کی باتوں کو نہیں سنتے، بعض موقعوں پر فرشتے کفار کو کوڑوں سے مارتے تھے، ان کی گردنیں مارتے تھے اور ان کو ڈانٹتے تھے؛ لیکن صحابہؓ وہاں موجود رہتے ہوئے بھی نہ فرشتوں کو دیکھتے تھے اور نہ ان کی باتیں سنتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے دنیا کے بہت سے حوادث کو بنی آدم سے چھپا کر رکھا ہے، ذرا غور کیجئے! جبرئیلؑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن پڑھاتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن شریف کا دور کرتے لیکن حاضرین مجلس نہیں سنتے، جو شخص اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کی قدرت کا قائل ہوگا، وہ اس بات کا بھی قائل ہوگا کہ وہ ایسے حوادث پیدا کرسکتا ہے اور کرتا ہے جس سے مخلوق کی نگاہوں کو باز رکھے، اس میں بھی اس کی کوئی حکمت ہے اور انسانوں کے لیے سراسر رحمت ہے، کیونکہ بندوں کی سماعت و بصارت اتنی کمزور ہے کہ ان حوادث کا ادراک کرکے بھی صحیح سالم نہیں رہ سکتی۔

قبر کے احوال کو بعض لوگوں پر ظاہر کرکے اس کی تصدیق آسان فرمادی ہے، چنانچہ جن لوگوں نے قبر کے احوال کو سنا، ان میں سے بہت سے بیہوش ہوگئے، ان پر غشی طاری ہوگئی اور تھوڑی دیر زندہ رہ کر زندگی سے متمتع نہ ہوسکے، بعض کا پردۂ قلب پھٹ گیا اور مرگئے، اللہ تعالیٰ نے یہ پردہ بڑی حکمت سے رکھا ہے اور یہ بندوں پر بڑا رحم وکرم ہے، قبر کی وسعت و تنگی کے بارے میں بھی جو لوگ شک رکھتے ہیں وہ محض جہالت کی وجہ سے ہے، جب ہم خود اس پر قادر ہیں کہ ایک قبر اندر اندر دس بیس گز چوڑی کردیں اور اوپر سے لوگ اس کو نہ دیکھ سکیں تو پھر رب العالمین اور قادر مطلق اس سے عاجز کس طرح ہوسکتا ہے؟ وہ ذات اقدس جس پر چاہے اور جس قدر چاہے قبر کشادہ یا تنگ کردے اور لوگوں کی نگاہوں سے اس وسعت و تنگی کو مستور و مخفی رکھے۔

الغرض قبر کی فراخی و تنگی اور روشنی و شادابی اور آگ وغیرہ کا عالم دنیا کے معروف عالَم سے الگ ہے، اس لیے اس پر قیاس نہ کرنا چاہئے، قبر میں سبزہ، پھول یا آگ وغیرہ ایسے نہیں ہیں جو دنیا میں ہیں، اس لیے زندوں کو اس کا احساس نہیں ہوسکتا، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے یہ بعید نہیں ہے کہ قبر کی مٹی کو یا پتھروں کو اس قدر گرم کردے کہ دنیا کی آگ سے زیادہ اور دنیا کے انگاروں سے زیادہ گرم ہوجائے یا مٹی کو اس قدر خوشگوار کردے کہ چمن کی راحت حاصل ہوجائے۔

یہ تو قبر کی بات ہے، ہم تو اس بات پر بھی ایمان رکھتے ہیں کہ اگر میت لوگوں کے سامنے رکھی ہوئی ہو تو اللہ تعالیٰ کی قدرت میں یہ بھی ہے کہ دو فرشتوں کو بھیج کر اس سے سوال کرے اور میت ان کو جواب دے اور ان کے سوال و جواب کو حاضرین نہ سن سکیں، فرشتے اس کو ماریں اور حاضرین کو اس کا پتہ نہ ہوسکے، جس طرح ایک سونے والا اگر خواب میں اذیت پاتا ہے تو ہم اس کے پاس ہوتے ہوئے بھی بے خبر رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی قدرت سے یہ بھی بعید نہیں ہے کہ قبر کی مٹی اور پتھروں کو شق کرکے فرشتے داخل ہوجائیں، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے پتھر کو فرشتوں کے لیے ایسا ہی لطیف کردیا ہے جیسے ہوا کو پرندوں کے لیے سہل کردیا ہے، پتھر مادی جسم والوں کے لیے روک بن سکتے ہیں، لیکن ارواح لطیفہ کے لیے روک نہیں بن سکتے۔

الغرض اللہ تعالیٰ نے ان احوال کو پوشیدہ رکھا ہے، اپنے بعض بندوں پر ظاہر فرمادیتا ہے، لیکن تمام لوگوں پر ظاہر کرنا حکمت کے موافق نہیں ہے، ایمان بالغیب بھی تو ضروری ہے اور یہ اسی طرح حاصل ہوگا جب کہ ان چیزوں کو پوشیدہ رکھا جائے، مزید یہ بھی مصلحت ہے کہ

اگر یہ امور ظاہر ہو جائیں تو لوگ دفن کرنا چھوڑ دیں، جیسا کہ حدیث شریف میں گذر چکا ہے کہ: ''اگر اندیشہ نہ ہوتا کہ تم لوگ اپنے مردوں کو دفن کرنا چھوڑ دو گے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا کہ عذاب قبر کو جس طرح میں سنتا ہوں، اسی طرح تم کو بھی سنا دے''۔

اور چوں کہ بہائم کے بارے میں یہ حکمت نہ تھی، اس لیے ان کو سنا دیا گیا، جیسا کہ یہ واقعہ ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خچر پر سوار ہو کر ایک ایسی قبر کے پاس سے گذرے کہ جس قبر کے مردے کو عذاب دیا جا رہا تھا، اس لیے وہ اس قدر بھڑکا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی پشت سے گرتے گرتے بچے۔ (موت اور قبر کے حیران کن واقعات اور جدید تحقیقات: ۳۲۸ تا ۳۳۳)

برزخ کا ذکر احادیث مبارکہ میں:

برزخ کا تذکرہ بے شمار روایتوں میں صراحت کے ساتھ موجود ہے، ہم اختصار کے ساتھ یہاں کچھ روایتوں کا خلاصہ بیان کریں گے، انشاء اللہ! ورنہ ایک صاحب نے سعودی میں مستقل "احادیث البرزخ فی الکتب التسعة" میں ۶۰/ حدیثیں پوری تحقیق وتخریج اور تشریح کے ساتھ برزخ پر جمع کی ہے۔

(۱) سب سے پہلی روایت تو وہ جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فجر کے بعد سوال کیا کہ تم میں سے کسی نے خواب دیکھا ہے اور پھر مختلف گناہگاروں کو برزخ میں ہو رہے عذاب کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا۔ (بخاری کتاب الجنائز باب ما قیل فی الاولاد المشرکین)

امام بخاری نے ایک روایت نقل کی ہے کہ عمرو ابن میمون الاودی فرماتے ہیں کہ حضرت سعد اپنے بچوں کو ایک دعا بڑے اہتمام سے سکھاتے تھے اور فرماتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد اس دعا کو پڑھا کرتے تھے، وہ دعا یہ ہے: "اللّٰھم انی اعوذبك من الجبن و اعوذبك ان ارد الی ارذل العمر و اعوذبك من فتنة الدنیا و اعوذبك من عذاب القبر"۔ (بخاری کتاب الجنائز)

اس دعاء ماٴثور میں ایک جملہ "و اعوذبك من عذاب القبر" ہے، ظاہر سی بات ہے جب عذاب قبر ثابت ہے تبھی تو پناہ مانگی جا رہی ہے، اور وہ بھی پابندی کے ساتھ۔

(۲) ایک اور روایت میں ہے: "اللّٰھم انی اعوذبك من العجز و الکسل و الجبن و الھرم و البخل و اعوذبك من عذاب القبر و من فتنة المحیا و الممات"۔ (بخاری کتاب الجہاد)

(۳) حضرت انس سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بنو نجار کے کسی کھجور کے باغ میں داخل ہوئے تو آپ نے اچانک کوئی آواز سنی تو پوچھا "من اصحاب ھذہ القبور" ان قبروں میں کون مدفون ہیں؟ تو صحابہ کرام نے جواب دیا کہ چند وہ لوگ جو زمانہ جاہلیت میں وفات پا گئے تھے، تو آپ نے صحابہ کو مخاطب ہو کر کہا: "تعوذوا من عذاب النار و من فتنة الدجال" تو صحابہ نے عرض کیا، آپ کی اس بات کو ان قبروں سے مناسبت؟ تو پھر آپ نے ارشاد فرمایا: "ان المومن إذا وضع فی القبر اتاہ ملك....." معلوم ہوا، قبر میں سوال جواب ہوں گے اور عذاب یا نعمت یہیں سے شروع ہو جائے گا، الی آخرہ۔ (بخاری کتاب الجنائز)

یہ تمام قرآن وحدیث کی مثالوں سے یہ بات ثابت ہے کہ عالم برزخ ایک کھلی حقیقت ہے جس کا انکار کفر کی دہلیز تک پہنچا سکتا ہے، اس لئے لہٰذا ان تمام چیزوں پر ہمارا ایمان ہونا چاہئے، اللہ رب العزت ہماری دنیا، برزخ اور آخرت کی تمام زندگیاں عافیت اور سلامتی کے ساتھ گذارے، عذاب قبر سے عذاب نار سے اور فتنۂ دنیا سے ہماری پوری حفاظت فرمائے اور ہم سب کو بھلائی کی توفیق عطا فرما کر ہم سے راضی ہو جائے۔ (آمین)

❁❁❁❁

فکر وعمل

الاماں از روح جعفر الاماں

مولانا فتح محمد ندوی

فاتح سندھ محمد بن قاسم کی شخصیت اور کارناموں سے برصغیر ہند کی سرزمین ہمیشہ سرسبز وشاداب رہے گی، آپ کے قدم رنجہ قیامت تک تیر گی میں اسلام کی آبرو بن کر یہاں کے ذروں کو روشنی عطا کرتے رہیں گے، غرضیکہ اس نوجوان کی بے مثال قربانیوں سے یہ سرزمین کبھی عہدہ برآ نہیں ہوسکتی؛ کیونکہ آج اس خطہ پر اسلام کی برکتوں کا جو ظہور باران رحمت کی شکل میں ہر وقت نازل ہوتا رہتا ہے، وہ سب اسی نوخیز حکمراں کی جہد مسلسل اور کوششوں کا نتیجہ ہے، بقول عظیم شاعر ماہر القادری:

سندھ کے ظلمت کدے میں نور افشاں ہے کوئی
ابر کے دامن میں جیسے برق لہرائی ہوئی

''ایک مورخ کے الفاظ ہیں سندھ کی فتوحات میں ایک طرف محمد بن قاسم نے اپنے آپ کو رستم واسکندر سے زیادہ بڑا بہادر ثابت کیا تو دوسری طرف نوشیرواں سے بڑھ کر عادل اور رعایا پرور ظاہر ہوا، یہ نوجوان فتح مند سردار سندھ و پنجاب میں اتنی تیزی سے گھس رہا تھا اور بستیوں کی بستیاں اس کے اثر سے اس طرح دائرہ اسلام میں داخل ہوتی چلی جارہی تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ عنقریب سارا علاقہ ایک اسلامی علاقہ بن جائیگا؛ لیکن تاریخ کی ستم ظریفی نے اس کمسن نوجوان کے ساتھ کیا برا سلوک کیا، کیسے اس جواں سال سپہ سالار کو موت کی نیند سلایا گیا، الامان والحفیظ! بنوامیہ کے فرماں روا عبدالملک بن مروان نے اپنے دو بیٹوں کو ولی عہد مقرر کیا، حسب دستور بڑا بیٹا ولید تخت پر بیٹھا تو اس نے اپنے بھائی سلیمان کو ولی عہدی سے دستبردار کرکے اپنے بیٹے کو جانشین مقرر کردیا؛ لیکن اچانک اس کی اس تمام تکمیل سے پہلے ہی اسکا انتقال ہوگیا، اور بھائی سلیمان تخت پر براجمان ہوگیا، اب سلیمان نے اقتدار کو اپنے ہاتھ میں لینے کے بعد ان تمام لوگوں سے انتقام لینا شروع کیا جو ولید کی حمایت میں پیش پیش تھے، ان میں پہلا نام حجاج بن یوسف کا تھا، لیکن سلیمان کی تخت نشینی سے پہلے ہی حجاج کا انتقال ہوگیا تھا، اب سلیمان نے اپنی انتقام کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کے لیے حجاج کے داماد اور چچا زاد بھائی محمد بن قاسم کو اپنی ہوس کا نشانہ بنایا، اور فرط غضب میں ان کو سندھ کی ولایت سے معزول کرکے دمشق کے جیل خانے میں ڈلوادیا، جہاں ان پر طرح طرح کے ظلم روا رکھے جاتے تھے، بالآخر یہ نوجوان جیل کی مشقتیں برداشت کرتے ہوئے دنیائے فانی سے رخصت ہوگیا''۔ (تاریخ کا سبق صفحہ ۲۸)

محمد بن قاسم نے اپنی اس شہادت سے پوری دنیائے اسلام کو یہ پیغام دیا کہ امیر کی اطاعت، اتحاد امت اور امن وشانتی میری جان اور اقتدار سے زیادہ عزیز تر ہے، ورنہ محمد بن قاسم کے پاس اتنی بڑی طاقت اور حوصلہ تھا کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ سکتے تھے سلیمان کی طاقت تو کجا، یہ محمد بن قاسم کی سعادت مندی اور وفاداری کی واضح دلیل تھی جو بیڑیوں اور آہنی زنجیروں میں جکڑے ہوئے زندان کی نذر ہوگئے۔

محمد بن قاسم کا یہ ذکر ضمناً نہیں بلکہ ان کے اس ذکر کے ساتھ بہت سے اہم تاریخی حقائق وابستہ ہیں، جو موجودہ عالم اسلام کے بحرانی حالات کو واکر سکتے ہیں، پہلی اور اہم حقیقت یہ ہے کہ محمد بن قاسم نے اپنی دوراندیشی اور فہم وفراست سے عالم اسلام کو ایک بڑی خانہ جنگی سے بچایا؛ کیونکہ محمد بن قاسم اگر دفاعی صورت اختیار کرتے تو لامحالہ اس کے منفی اثرات عالم اسلام کے اوپر پڑتے، دو بڑی طاقتیں آپس میں ٹکراتی، جس کے سبب عالم اسلام کا اتحاد منتشر ہوتا، دشمن جو پہلے سے

آستینوں میں چھپے بیٹھے تھے، وہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر عالم اسلام پر مسلط ہو جاتے یا اس کو تقسیم کر دیتے، واقعہ یہ ہے محمد بن قاسم نے تحمل سے کام لیتے ہوئے بے نفسی کی وہ مثال قائم کی جس نے ہابیل اور حضرت عثمان غنیؓ کی سنت کو زندہ کر دیا۔

دراصل اسلام کی تاریخ میں ایسا کئی مرتبہ ہوا جب اسلامی غیرت و حمیت کے یہ گہر ہائے گرانمایہ ہم سے چھینے گئے اور ہمارے سینوں کو زخمی کیا گیا، ہمیں خون کے آنسو رلایا گیا، حد تو یہ ہے کہ ابھی بھی یہ سلسلہ جاری وساری ہے، کوئی ایسی آواز جو اسلامی غیرت سے بھری ہوئی ہو یا خلافت الٰہی کے حوالے سے کوئی کوشش کسی آواز میں شامل ہوگئی ہو تو یہ نشہ اقتدار کے متوالے اس کو چیل کوؤں کی طرح نوچ لیتے ہیں، اس میں کوئی شک نہیں اسلام کو جتنا نقصان ہر دور میں ان میر صادق اور میر جعفروں سے پہنچا ہے اتنا شاید غیروں سے بھی نہ پہنچا ہو؛ کیونکہ دشمن جب آستینوں میں چھپ کر آتا ہے تو اس میں عقلوں کا بڑا امتحان ہوتا ہے، آج یہی میر وصادق کا کردار عالم اسلام میں ایران ادا کر رہا ہے، کسی کو اختلاف ہوسکتا ہے؛ لیکن ان تمام معروضات کی روشنی میں موجودہ دنیا اور خاص طور عالم اسلام کے حالات اور ان بحرانوں کا جائزہ لیا جائے جن سے یہ گذر رہا ہے تو ان تمام بحرانوں کے عقب میں حب جاہ، ملک گیری اور دوسری اہم بلکہ حقیقی وجہ یہ ہے کہ کچھ قومیں خصوصاً اہل ایران اور یہودی اپنے آپ کو مظلوم سمجھتی ہیں، جہاں تک بات یہودیوں کی ہے تو اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ آج دنیا میں مظلومیت کے نام پر وہ انسانوں کا خون صبح وشام پی رہے ہیں؛ لیکن ان کی تشنگی ابھی نہیں بجھی خدا خیر کرے! البتہ اہل ایران کے حوالے سے تمام تر اختلاف کے باوجود ہم یہی کہیں گے کہ عالم اسلام میں آج جو کچھ ہو رہا ہے پاکستان، افغانستان، شام، عراق اور سعودی عربیہ وغیرہ اس کے پیچھے یقیناً اہل ایران کی سازش صاف نظر آتی ہے، چونکہ ان کے اوپر اس وقت ملک گیری کا جو عفریت سوار ہے، اس کی وجہ سے ہر طرف ایک افراتفری کا ماحول ہے جبکہ اس کشمکش سے ہر طرف ایک عجیب سی پریشانی اور بے چینی کا ماحول ہے، بے گناہوں کی جانیں جا رہی ہیں، آگ اور خون کے خوف ناک منظر دیکھتے دیکھتے کلیجہ منہ کو آ گیا۔

غرضیکہ داستان غم بڑی ہی عبرت ناک ہے، ہر دن کی نئی صبح ہمارے لیے بدشگونی لیکر نمودار ہوتی ہے، آخر کب تمام اسلامی ملک اس آپسی چشمک سے اوپر اٹھ کر سر سے سر جوڑ کر بیٹھیں گے کب یہ رنجشیں ختم ہونگی، دنیا کہاں سے کہاں ترقی کر کے پہنچ گئی، ہم جہاں سے چلے تھے آج بھی وہیں کھڑے ہیں، بس زبانی اعتبار سے ہم کچھ ہی کہہ لیں اور خود ہی خوش ہو جائیں لیکن حقیقت وہی ہے جس کا ذکر ابھی ہوا، یہ ہمارے کھوکھلے دعوے ہیں جو ہر پسماندہ قوموں کی علامت ہیں، خدارا ہم تمام اسلامی ملکوں کے سربراہوں سے یہ درخواست کریں گے کہ وہ ملک گیری کی ہوس کو اپنے دل سے نکال دیں، یہ زمین اللہ کی ہے، اس کا مالک حقیقی وہی ہے، جب وہ چاہے گا تمہیں اپنی زمین سے بھی نکالدے گا، دنیا کے دوسرے بڑے ظالم اور جابر حکمراں، فرعون، ہامان، نمرود اور شداد سب ملک گیری کا مزہ ذلت ورسوائی کے ساتھ چکھ چکے ہیں۔

امانت اور عہد کی پابندی

"وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ" اللہ تبارک وتعالی نے ایسے لوگوں کو فلاح پانے کی خوشخبری سنائی ہے، جو اپنی امانتوں اور اپنے قول وقرار کی پاسبانی کرتے ہیں، یہ شعبہ آج ہمارا انتہائی حد تک کمزور ہے، آپس کے معاملوں میں جو اخلاقی جوہر مرکزی حیثیت رکھتا ہے وہ دیانت، امانت اور وعدوں کی پاسداری ہے، امانت کا دائرہ صرف روپیہ، پیسہ، جائیداد اور مالی اشیاء تک محدود نہیں، مختصراً اگر کسی کا حق ادا کرنا امانت ہے تو کسی کا کوئی بھید یا راز ہم کو معلوم ہے اس کا چھپانا بھی امانت ہے، کسی مجلس میں ہم ہوں تو اس مجلس کی باتوں کو اپنے تک محدود رکھنا بھی امانت ہے، اگر کسی نے ہم سے مشورہ مانگا تو اس کو سن کر اپنے تک ہی محدود رکھنا اور اس کو صحیح مشورہ دینا بھی امانت ہے، اگر کسی نے ہم پر بھروسہ کرتے ہوئے کوئی بات کہی تو اس کے بھروسے اور اعتماد کو باقی رکھنا بھی امانت ہے۔

(ماخوذ: ڈاکٹر غلام کریم حیات وخدمات صفحہ ۳۷)

جائزہ

کیا یہ خاندان تحریک آزادی میں شامل تھا؟

مولانا محمد شاہد انور بانکوی مرکز التراث الاسلامی، دیوبند

۲۶ر جنوری یوم جمہوریہ کے موقع پر جشن آزادی کی تقریبات پورے ملک میں بڑی دھوم دھام سے منائی جاتی ہیں، مدرسہ ہو یا اسکول، کالج ہو یا یونیورسٹی، سبھی جگہ جنگ آزادی کے لئے قربانی دینے والے مجاہدین کے کارناموں کو تقریر وڈرامہ اور مختلف رنگا رنگ پروگراموں کے ذریعہ آزادی کی فضا میں چین وسکون کی سانس لینے والے انسانوں کو بتایا جاتا ہے کہ آزادی کے حصول میں ہمارے پیش روں کی کیا قربانیاں ہیں جنہوں نے اپنی جان کی پرواہ کئے بغیر ملک کو انگریزوں سے آزاد کرانے میں اہم کردار ادا کیا ہے، اس تحریک آزادی میں تقریبا سبھی طبقات ومذاہب کے لوگ شریک رہے تھے مگر افسوس صد افسوس! اسی ہندوستان میں ایک خاندان ایسا بھی ہے جو اس تحریک آزادی کا ہی مخالف تھا اور جنگ آزادی کی تحریک کو کمزور کرنے کے لئے انگریزوں کی حمایت میں ہر طرح کا تعاون کر رہا تھا، آج جب کہ ہر طرف جشن یوم جمہوریہ کی تقریبات بڑی شان وشوکت سے منائی جارہی ہے اور شہدائے وطن کے جذبہ کو سلام پیش کیا جارہا ہے تو اس موقع سے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اس خاندان کے چہرے سے بھی دبیز پردہ ہٹاؤں جس خاندان نے اس تحریک کو کمزور کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی تاکہ نسل نو کو یہ بھی معلوم رہے کہ کس خاندان نے ہندوستانیوں سے غداری کرتے ہوئے انگریزوں کی حمایت کی ہے؟۔

ان غداران وطن میں سے ایک نام قادیان ضلع گورداسپور پنجاب کے ایک خاندان کا بہت نمایاں ہے، جس خاندان کا ایک فرد مرزا غلام احمد قادیانی بھی ہے جس نے انگریزوں سے اپنی اور اپنے خاندان کی خیر خواہی اور وفاداری کا ثبوت دیتے ہوئے اپنی کتاب ''کتاب البریہ'' میں لکھا ہے: ''میں ایک ایسے خاندان سے ہوں جو اس گورنمنٹ کا پکا خیر خواہ ہے، میرے والد مرزا غلام مرتضٰی گورنمنٹ کی نظر میں ایک وفادار اور خیر خواہ آدمی تھے، ۱۸۵۷ء میں انہوں نے اپنی طاقت سے بڑھ کر انگریزی سرکار کو مدد دی تھی، یعنی پچاس سوار اور گھوڑے بہم پہنچا کر عین زمانہ غدر کے وقت سرکار انگریزی کو مدد دی تھی..... پھر میرے والد صاحب کی وفات کے بعد میرا بڑا بھائی مرزا غلام قادر خدمات سرکاری میں مصروف رہا اور وہ سرکار انگریزی کی طرف سے لڑائی میں شریک تھا۔ (روحانی خزائن، جلد ۱۳ ص ۴)

ایک مرتبہ مرزا قادیانی نے انگریزی حکومت میں ایک درخواست پیش کی جس میں اپنے اور اپنی جماعت کے لئے خاص توجہ وعنایت کا مطالبہ کیا اور انگریز حکومت سے اپنے خاندان کی خیر خواہی اور وفاداری کا اقرار کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''یہ التماس ہے کہ سرکار دولت مدار ایسے خاندان کی نسبت جس کو پچاس سال کے متواتر تجربے سے ایک وفادار، جانثار خاندان ثابت کر چکی اور جس کی نسبت گورنمنٹ عالیہ کے معزز حکام نے ہمیشہ مستحکم رائے سے اپنی چھٹیات میں یہ گواہی دی جبکہ وہ قدیم سے سرکار انگریزی کی خیر خواہ اور خدمت گزار ہے، اس خود کاشتہ پودے کی نسبت نہایت حزم واحتیاط اور تحقیق وتوجہ سے کام لی اور اپنے ماتحت حکام کو اشارہ فرمایا کہ وہ بھی اس خاندان کی ثابت شدہ وفاداری اور اخلاص کا لحاظ رکھ کر مجھے اور میری جماعت کو عنایت اور مہربانی کی نظر سے دیکھیں''۔ (مجموعہ اشتہارات، جلد سوم ص ۲۱)

مرزا قادیانی کی اس درخواست کو دیکھ کر یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں

ہے کہ قادیانی گروہ انگریزوں کا خود کاشتہ پودہ ہے اور انگریزی حکومت کے سایہ تلے یہ پروان چڑھا ہے؟۔

سلطنت انگریزی کو اس کی تائید وحمایت میں اس قدر کتب ورسائل کی تالیف واشاعت کا یقین دلاتا ہے جس سے پچاس الماریاں بھر جائیں ملاحظہ فرمائیں مرزا کی تحریر:

''میری عمر کا اکثر حصہ اس سلطنت انگریزی کی تائید اور حمایت میں گزرا ہے اور میں نے ممانعت جہاد اور انگریزی اطاعت کے بارے میں اس قدر کتابیں لکھی ہیں اور اشتہار شائع کئے ہیں کہ اگر وہ رسائل اور کتابیں اکٹھی کی جائیں تو پچاس الماریاں بھر سکتی ہیں، میں نے ایسی کتابوں کو تمام ممالک عرب اور مصر اور شام اور کابل اور روم تک پہنچا دیا ہے، میری کوشش رہی ہے کہ مسلمان اس سلطنت کے سچے خیر خواہ ہو جائیں اور مہدی خونی اور مسیح خونی کی بے اصل روایتیں اور جہاد کے جوش دلانے والے مسائل جو احمقوں کے دلوں کو خراب کرتے ہیں، انکے دلوں سے معدوم ہو جائیں۔ (روحانی خزائن جلد ۱۵ ص ۱۵۵)

سیالکوٹ کچہری میں ملازمت کے دوران انگریزوں کی جانب سے جو ہری جھنڈی دکھائی گئی اور خفیہ ملاقاتوں کے ذریعہ منشی جی کو مذہبی تخریب کاری پر آمادہ کرلیا تو اب منشی جی نے ملازمت سے استعفیٰ دے دیا اور قادیان واپس آکر دین اسلام کی خدمت کا ڈھونگ رچا اور جا بجا مذہبی مناظرے اور تصنیف وتالیف کے ذریعہ یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ وہ ایک مصلح اور دین کا خادم ہے؛ لیکن پس پردہ وہ انگریزوں سے ہو چکے معاہدے کی تکمیل کے لئے کام کر رہا تھا، چنانچہ اس نے سب سے پہلے نظریہ جہاد کو ختم کرنے کے لئے من گھڑت اور بے بنیاد الہامات کا سہارا لیکر جہاد کو منسوخ قرار دیا، وہ لکھتا ہے:

اب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستو خیال
دین کیلئے حرام ہے اب جنگ وقتال
اب آ گیا مسیح جو دیں کا امام ہے
دین کے تمام جنگوں کا اب اختتام ہے
اب آسمان سے نور خدا کا نزول ہے
دشمن ہے وہ خدا کا جو کرتا ہے اب جہاد
منکر نبی کا ہے جو یہ رکھتا ہے اعتقاد

(روحانی خزائن: جلد ۱۷ ص ۷۷، ۷۸)

دوسری جگہ مرزا قادیانی نے جہاد کی منسوخی کا اعلان کچھ اس طرح کیا ہے: ''میں یقین رکھتا ہوں کہ جیسے جیسے میرے مرید بڑھیں گے ویسے ویسے مسئلہ جہاد کے معتقد کم ہوتے جائیں گے کیوں کہ مجھے مسیح اور مہدی مان لینا ہی مسئلہ جہاد کا انکار ہے''۔ (مجموعہ اشتہارات جلد ۳ ص ۱۹)

جنگ آزادی میں شریک افراد کو فحش گالی دینے سے بھی نہیں باز رہا چنانچہ وہ اپنی کتاب ''شہادت القرآن'' میں لکھتا ہے:

بعض احمق اور نادان سوال کرتے ہیں کہ اس گورنمنٹ سے جہاد کرنا درست ہے یا نہیں؟ سو یاد رہے کہ یہ سوال ان کا نہایت حماقت کا ہے کیونکہ جس کے احسانات کا شکر کرنا عین فرض اور واجب ہے، اس سے جہاد کیسا، میں سچ سچ کہتا ہوں کہ محسن کی بدخواہی کرنا ایک حرامی اور بدکار آدمی کا کام ہے۔ (روحانی خزائن جلد ۶ ص ۳۸۰)

یہ ہیں مرزا قادیانی اور اس کے خاندان کی اصلی روپ، جسے جشن آزادی کے موقع پر بیان کیا جانا ضروری ہے تاکہ ہندوستانیوں کو اس کے کالے کرتوت سے واقفیت ہو اور اس کے مکر وفریب سے بچیں۔

مرزا قادیانی کے ذریعہ وجود میں آئی جماعت ''قادیانیت'' درحقیقت نبوت محمدی اور اسلام سے بغاوت کا نام ہے اور جو قوم اور گروہ اپنے مذہب سے بغاوت کرلے وہ اپنے ملک سے وفاداری کا ثبوت کیا پیش کریں گے وہ ہرگز ملک وملت کے خیر خواہ نہیں ہو سکتے، اسلئے ہندوستانی بھائیوں سے گزارش ہے کہ جنگ آزادی کے مخالف یہ غدار خاندان اور اس کی ہم نوا جماعتیں چاہے جس رنگ وروپ میں ہوں ملک کی گنگا جمنی تہذیب اور امن وشانتی کے لئے خطرہ ہیں اس سے خود بھی ہوشیار رہیں اور دوسروں کو بھی ہوشیار رہنے کی تلقین کریں۔

❁❁❁❁

سیرت نبویؐ

فخر کائنات کی زندگی ایک آئیڈیل

محمد مسعود عزیزی ندوی

اللہ کے آخری پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اتنی صاف ستھری اور ممتاز ہے کہ تاریخ انسانی ایسی زندگی کی مثال پیش نہیں کرسکتی، اس کی وجہ یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالی آخری پیغمبر ورسول بنانا چاہتا تھا، جو پوری انسانیت اور قیامت تک آنے والی نسل انسانی کے لئے ایک آئیڈیل اور نمونہ ثابت ہوں، چنانچہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی نبوت سے پہلے بھی اسی طرح محفوظ اور ممتاز ہے، جس طرح سے نبوت کے بعد، آپ کے تقدس وعظمت، آپ کی پاکدامنی اور سیرت کی شفافیت کی اور آپ کی امانت اور صداقت کی لوگ قسمیں کھاتے تھے، کیونکہ آپ کی بچپن کی زندگی، شباب وجوانی کی زندگی، کہولت کی زندگی مکہ کے لوگوں کے سامنے بالکل عیاں اور پاک وصاف تھی اور زندگی کا وہ دور جس میں بہت سے نوجوان بے راہ روی کا شکار ہوجاتے ہیں، اتنا صاف ستھرا اور پاک وصاف ہے کہ اس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی، آپ اتنے پاک طینت، پاکباز اور مکہ کے لوگوں کیلئے اتنے چہیتے تھے کہ آپ کو ''امین'' امانتدار اور ''صادق'' سچا کہتے تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات میں اہمیت اور وزن تھا۔

جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نوجوان تھے تو مکہ کی ایک متمول صاحب ثروت خاتون حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنا مال تجارت لیکر آپ کو ملک شام بھیجا، تو اس کی بزنس اور کاروبار میں حد سے زیادہ فائدہ اور برکت ہوئی تھی، اس میں آپ کی ایمان داری، راست بازی، دیانت داری کو خاص دخل تھا، جس کی وجہ سے اس خاتون نے آپ کے اخلاق وکردار سے متأثر ہوکر آپ سے شادی کا پیغام بھیجا تھا۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب ۳۵ رسال کی عمر میں تھے، اس وقت قریش مکہ نے کعبہ کی تعمیر جدید کا فیصلہ کیا تھا، کعبہ کی تعمیر جب اس جگہ تک پہنچ گئی، جہاں پر حجر اسود (جنت کا کالا پتھر) کو نصب کرنا تھا، تو مکہ کے بڑے بڑے چودھریوں میں اختلاف ہوگیا، ہر ایک کی خواہش یہ تھی کہ یہ بابرکت اور مقدس کام میرے ہاتھوں انجام پائے، تاکہ تاریخ میں میرا نام روشن ہو، اور اس سلسلہ میں وہ اس حد تک پہنچ گئے تھے کہ قریب تھا کہ تلواریں نکل جائیں، بلکہ تلواریں نیام سے باہر آگئیں تھیں، اور قتل عام ہونے والا تھا، کہ اس بات پر اتفاق ہوگیا کہ کل صبح جو بھی سب سے پہلے حرم میں داخل ہوگا وہ جو فیصلہ کرے گا وہ ہمیں منظور ہوگا، چنانچہ اگلے دن سب سے پہلے جو حرم میں داخل ہوا، وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے، سب نے بیک آواز کہا کہ ہاں یہ ''صادق وامین'' آگئے، یہ جو فیصلہ کریں گے ہمیں منظور ہے، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام اشراف قریش، تمام مکہ کے چودھریوں کو بلایا، ایک چادر بچھائی اس پر حجر اسود کو رکھا، پھر فرمایا کہ سب چادر کا ایک ایک کونہ پکڑ لیں اور سب ملکر اٹھائیں، سب نے چادر اٹھائی، جب اس جگہ پہنچ گئی جہاں پر حجر اسود کو لگانا تھا، تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ پتھر اٹھا کر اس جگہ لگا دیا، اس طرح انہوں نے ایک بڑے فتنے اور بڑی جنگ کو چھڑنے سے روک دیا۔

نبوت سے پہلے ایک مرتبہ مکہ میں یمن کا ایک تاجر آیا اور عاص بن وائل نے اس کا تمام سامان خرید لیا، مگر اس تاجر کے پیسے نہیں دیئے، جب اس تاجر نے ظلم کے خلاف لوگوں سے مدد طلب کی، اس سلسلہ میں کچھ لوگوں نے اس ظلم کے خلاف میٹنگ کی، حضرت محمد صلی اللہ علیہ

وسلم اس میٹنگ میں شریک ہوئے اور ظلم کے خلاف آواز لگائی اور تاجر کو اس کا حق دلوایا۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کے بعد جب نبی ہونے کا اعلان کیا اور مشرکین مکہ کو بت پرستی چھوڑنے کی، شرک کو چھوڑنے کی اور ایک اللہ کو ماننے کی دعوت دی، تو مکہ کے لوگ بغض وحسد میں آپ کے دشمن ہو گئے، مگر وہ سخت ترین دشمنی کے باوجود آپ پر کوئی الزام نہ لگا سکے، آپ کو جھوٹا اور خیانت کرنے والا نہ کہہ سکے، ساری دشمنی کے باوجود آپ کی اخلاقیات پر، آپ کی پاکیزہ زندگی پر ایک حرف بھی کسی نے نہ نکالا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جان کے دشمن بھی اپنا مال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رکھنا پسند کرتے تھے، جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ سے ہجرت فرمائی، اس وقت لوگوں کی امانتیں آپ کے پاس رکھی ہوئی تھیں، حضرت محمد نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو وہ تمام امانتیں سپرد کیں، اور فرمایا کہ جس جس کی امانتیں ہیں، ان کو ادا کر کے پھر مدینہ آ کے مجھ سے ملنا، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین مکہ سے پریشان ہو کر مکہ مکرمہ چھوڑ کر مدینہ منورہ جا رہے تھے، اس وقت بھی امانتوں کا یہ پاس ولحاظ کیا کہ جس جس کی امانتیں ہیں وہ ان کے پاس پہنچ جائیں، تاریخ میں ہے کوئی جو اس طرح کی مثالیں پیش کر سکے۔

ایک مرتبہ مسجد نبویؐ میں ایک دیہاتی غیر مسلم آیا اور اس نے مسجد میں پیشاب کرنا شروع کر دیا، صحابہ نے دیکھا تو اس کو روکنا چاہا، حضرت محمد نے فرمایا کہ اس کو کرنے دو جو کر رہا ہے، جب وہ پیشاب سے فارغ ہوا، تو آپ نے بلایا اور کہا کہ دیکھو بھائی یہ اللہ کا گھر ہے، یہ ایسی جگہ نہیں ہے کہ جہاں پر پیشاب پاخانہ کیا جائے، آپ نے اس کو نہ ڈانٹا نہ ڈپٹا، بلکہ بہت محبت و پیار سے سمجھایا، جس سے وہ بدو (دیہاتی) آپ سے بہت متاثر ہوا اور حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر جب آپ مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ تشریف لائے تھے، مگر مکہ والوں نے آپ کو عمرہ کی اجازت نہیں دی، اور آپ کو آئندہ سال آنے کے لئے کہا، اور طرح طرح کی شرطیں لگائیں، مگر آپ نے صلح کی، دیکھنے والوں نے محسوس کیا کہ آپ نے دب کر صلح کی، مگر آپ کے اخلاق کریمانہ نے یہ ثابت کیا کہ دب کر صلح نہیں تھی بلکہ اللہ کی مرضی ہی ایسی تھی اور اس کے پس پردہ ایک بڑی جیت تھی۔

ابوسفیان جو قریش کی ایک جماعت کے ساتھ تجارت کی غرض سے شام گیا ہوا تھا، آپ کا سخت ترین دشمن تھا، مگر جب ہرقل کے سامنے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق مکالمہ ہوا، سوال و جواب ہوئے، تو ابوسفیان سخت دشمنی کے باوجود حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ایک بات بھی نہ کہہ سکا، بلکہ آپ کی خصوصیات وصفات بیان کیں۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مشرکین کے ساتھ جو جنگیں ہوئیں، جن جنگوں میں آپ خود شریک ہوئے اور جن جنگوں میں آپ شریک نہ ہوئے، ان تمام میں طرفین سے صرف ایک ہزار اٹھارہ آدمی مارے گئے، دنیا کی جنگوں کی تاریخ میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگوں میں جو انسان مارے گئے وہ بہت کم ہیں، جب کہ آج کل چھوٹی چھوٹی جنگوں میں ہزاروں، لاکھوں لوگوں کا بلکہ بے قصوروں کا مارا جانا عام بات ہے، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگوں میں دشمنوں کی عورتوں، بچوں اور بوڑھوں پر بھی دست درازی سے منع کیا، اور جنگی قیدیوں کے ساتھ بھی آپ کا سلوک بہیمانہ نہیں بلکہ سلاطین کے عام رویہ سے ہٹ کر مخلصانہ، محبانہ اور انسانی بنیاد پر رحیمانہ اور پیغمبرانہ تھا۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ کو فتح کیا، اور مکہ میں داخل ہوئے، اس وقت آپ کی حالت عام فاتح سلاطین اور حکمرانوں کی طرح نہیں تھی، بلکہ اللہ کے ایک عاجز اور متواضع بندے کی طرح شاکرانہ تھی، اس وقت آپ نے عام فاتحین کی طرح لوٹ

مار، قتل وغارتگری اور ظالمانہ رویہ نہیں اختیار کیا بلکہ پیغمبرانہ اصول ومزاج کے پیش نظر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج تم پر کوئی الزام نہیں، کسی پر کوئی ظلم نہیں ہوگا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا جو اپنے گھر کے دروازے بند کرلے اس کو بھی امان، جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوجائے اس کو بھی امان، جو مسجد حرام میں داخل ہوجائے اس کو بھی امان، یہ اس فاتح پیغمبر کا اصول اور طرز عمل تھا جو پوری انسانی برادری کیلئے رحمت عالم بن کر آیا تھا۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات تمام انسانوں کے لئے یکساں تھیں، آپ نے بت پرستی کو ختم کیا، ظلم کو ختم کیا، آپس کی دشمنیوں کو ختم کیا، اسود وابیض کے فرق کو ختم کیا، سود کو ختم کیا، بچیوں کو زندہ درگور کرنے کی رسم کو ختم کیا، بلکہ ہر اس ظالمانہ طرز عمل اور دستور کو ختم کیا جو انسانی معاشرے کی تباہی کا سبب بنا ہوا تھا، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پوری انسانی برادری کو خدا کا کنبہ سمجھتے تھے، اور اسی کی تعلیم دیتے تھے، بلکہ جانوروں تک کے لئے رحمت بن کر آئے تھے، جانوروں پر بھی ظلم پسند نہیں کرتے تھے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲۵ رسال کی عمر میں ۴۰ رسال کی عورت حضرت خدیجہ سے شادی کی، حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد دوسری عورتوں سے اللہ کے حکم سے شادی کی، ان میں زیادہ تر مطلقہ اور بیوہ عورتیں تھیں، صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایسی عورت تھیں جو کنواری تھیں، آپ نے یہ تمام شادیاں جنسی خواہشات کی تکمیل کے لئے نہیں کی بلکہ ان کے پیچھے ایک بڑا مقصد تھا، وہ اسلامی تعلیمات اور دعوت ایمانی کو زیادہ سے زیادہ قبائل تک پہنچانا تھا؛ کیونکہ وہ عورتیں مختلف قبائل سے تعلق رکھتی تھیں، اس لئے دعوت کے کام کو زیادہ سے زیادہ پیمانے پر پھیلانا مقصود تھا، اور وہ اسی طرح رشتوں کی بنیاد پر ممکن تھا، اگر (اللہ کی پناہ) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جنس پرست یا عورتوں کے دلدادہ ہوتے، تو وہ نوجوان اور کنواری لڑکیوں سے شادی کرتے، اور مکہ کے چودھریوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ پیش کش کی تھی کہ آپ دعوت اسلام سے باز آجائیں تو آپ کی مکہ کی حسین سے حسین لڑکیوں سے شادی کردی جائے گی، مگر آپ نے اپنا مقصد دعوت توحید واسلامی بتلایا کہ میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے ہاتھ میں چاند رکھ دئے جائیں تو بھی میں اپنے کام سے باز نہیں آسکتا، جس الوالعزم پیغمبر کی یہ صفات ہوں، یہ حالات واقعات ہوں وہ کیونکر رحمت للعالمین نہ ہوگا، اب اگر چودہ سو سال کے بعد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق وکردار پر کوئی حملہ کرے تو وہ تاریخ انسانی کا بدترین انسان ہوگا، اس لئے کہ جنہوں نے حضرت محمد کے ساتھ چالیس پچاس سال زندگی گزاری وہ ایک بھی غیر اخلاقی چیز حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب نہ کرسکے، تو آج چودہ سو سال کے بعد ایسا کرنیوالا متعصب اور تاریخ سے ناواقف ہوگا۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ہر ایک گوشہ، بچپن کا، جوانی کا، نبوت کے بعد مکہ کی زندگی کا اور ہجرت کے بعد مدینہ منورہ کا ایک ایک لمحہ اور ایک ایک بات تاریخ میں محفوظ ہے، ہم قارئین کو دعوت دیتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا مطالعہ کریں، تو آپ کو خود معلوم ہوگا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تاریخ انسانیت کا کامل ترین انسان ہے، اسی لئے خالق کائنات نے پوری انسانیت کے لئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو اسوہ اور آئیڈیل بنایا، اللہ تعالی تمام حضرات کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی، آپ کی سیرت کو پڑھنے کی اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آئے دنیا میں بہت پاک مکرم بن کر
آیا نہ کوئی مگر رحمت عالم بن کر

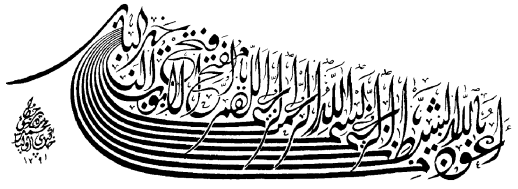

اصلاحیات

صلہ رحمی کرنیکی اہمیت وفضیلت

مولانا محمد عمر قاسمی مجاہد پوری

اپنے عزیز واقرباء سے اچھے تعلقات رکھنے اور حسن سلوک سے پیش آنے کو صلہ رحمی کہتے ہیں اور اس کے برخلاف عزیز واقارب سے تعلقات بگاڑنے اور بدسلوکی سے پیش آنے کو قطع رحمی کہتے ہیں اور قطع رحمی بہت بری چیز ہے، اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: "اِنَّ اللّٰہ یامر بِالْعَدْلِ والاحسان وایتاء ذی القربا وینھی عن الفحشاء والمنکر والبغی یعظکم لعلکم تذکرون"۔ (سورۃ النحل آیت ۹۰)

اللہ حکم کرتا ہے انصاف کرنے کا، بھلائی کرنے کا اور قرابت والوں کے دینے کا اور منع کرتا ہے بے حیائی سے اور نامعقول کام سے اور سرکشی سے، تم کو سمجھاتا ہے تاکہ یاد رکھو۔ (ترجمہ شیخ الہند)

اس آیت کریمہ میں تین چیزوں کا حکم فرمایا ہے: (۱) عدل (۲) احسان (۳) ایتاء ذی القرباء۔

عدل کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کے تمام عقائد اعمال، اخلاق، معاملات، جذبات، اعتدال وانصاف کی ترازو میں تلے ہوں، افراد وتفریط سے کوئی پلہ جھکنے یا اٹھنے نہ پائے، سخت سے سخت دشمن کے ساتھ بھی معاملہ کرے تو انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے، اس کا ظاہر وباطن یکساں ہو، جو بات اپنے لئے نہ پسند کرتا ہو اپنے بھائی کے لئے بھی پسند نہ کرے، احسان کے معنی یہ ہیں کہ انسان بذات خود نیکی اور بھلائی کا پیکر بن کر دوسروں کا بھلا چاہے، مقام عدل وانصاف سے ذرا اور بلند ہوکر فضل وعفو اور تلطُّف وترحم کی خو اختیار کرے، یہ دونوں خصلتیں یعنی عدل واحسان تو اپنے نفس اور ہر ایک خویش وبیگانہ اور دوست ودشمن سے متعلق تھیں؛ لیکن اقارب کا حق اجانب سے کچھ زائد ہے، جو تعلقات قرابت اللہ تعالی نے باہم رکھ دیئے ہیں، انہیں نظر انداز نہ کیا جائے، بلکہ اقارب کی ہمدردی اور ان کے ساتھ مروت واحسان اجانب سے کچھ بڑھ کر ہونا چاہئے، صلہ رحمی ایک مستقل نیکی ہے، جو اقارب وذوی الارحام کیلئے درجہ بدرجہ استعمال ہونی چاہئے، گویا احسان کے بعد "ذوی القربیٰ" کا بالتخصیص ذکر کے متنبہ فرمادیا کہ عدل وانصاف تو سب کیلئے یکساں ہے؛ لیکن مروت واحسان کے وقت بعض مواقع بعض سے زیادہ رعایت واہتمام کے قابل ہیں، فرق مراتب کو فراموش کرنا ایک طرح قدرت کے قائم کئے ہوئے قوانین کو بھلادینا ہے، اب ان تینوں لفظوں کی ہمہ گیری کو پیش نظر رکھتے ہوئے سمجھدار آدمی فیصلہ کرسکتا ہے کہ وہ کونسی فطری خوبی بھلائی اور نیکی دنیا میں ایسی رہ گئی ہے جو ان تینوں فطری اصولوں کے احاطہ سے باہر ہو۔

نیز اس آیت مبارکہ میں تین چیزوں سے بھی منع کیا: فحشاء، منکر اور بغی؛ کیونکہ انسان میں تین قوتیں ہیں، جن کے لئے موقع اور غلط استعمال سے ساری خرابیاں اور برائیاں پیدا ہوتی ہیں، فحشاء سے وہ بے حیائی کی باتیں مراد ہیں، جن کا منشاء شہوت وبہیمیت کی افراط ہو، منکر معروف کی ضد ہے، یعنی نامعقول کام جن پر فطرت سلیمہ اور عقل صحیح انکار کرے، تیسری چیز "بغی" یعنی سرکشی کرکے حد سے نکل جانا، ظلم وتعدی پر کمربستہ ہوکر درندوں کی طرح کھانے پھاڑنے کو دوڑنا اور دوسروں کے جان ومال اور آبرو لینے کے واسطے ناحق دست درازی کرنا، الحاصل آیت میں تنبیہ فرمادی کہ انسان جب تک ان تینوں قوتوں کو قابو میں نہ رکھے اور قوت عقلیہ کو ان سب پر حاکم نہ بنائے مہذب اور پاک نہیں ہوسکتا۔

حضرت ثانی بن مظعون رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم سے میری دوستی تھی، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر محض شرما حضوری سے مسلمان ہوگیا تھا، یوں اسلام کی عظمت میرے قلب میں پیدا نہیں ہوئی تھی کہ اسی اثناء میں ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے گفتگو فرمارہے تھے کہ اتنے میں دوسری جانب متوجہ ہوگئے اور ایسا معلوم ہوا کہ کسی دوسرے سے کچھ بات چیت فرمارہے ہیں، پھر اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم میری جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ ابھی حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے تھے اور یہ آیت سنا گئے ہیں:

"ان اللّٰہ یامر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربی وینھی عن الفحشاء والمنکر والبغی یعظکم لعلکم تذکرون"۔

اس بات کو سن کر مجھے بہت مسرت ہوئی اور اسلام میرے دل میں گھر کر گیا، میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے اٹھ کر سیدھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب کے پاس آیا اور ان سے کہا کہ میں ابھی آپ کے بھتیجے کے پاس ہی موجود تھا کہ ان پر یہ آیت نازل ہوئی ہے اور پوری آیت انہیں سنائی، انہوں نے کہا کہ ہاں ہاں تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اتباع کرو فلاح پاجاؤ گے، رشد وہدایت پاجاؤ گے، بخدا میرا بھتیجا مکارم اخلاق کی تعلیم کرتا ہے، اب چاہے وہ سچ کہتا ہو یا نہ کہتا ہو تم کو بہر حال امور خیر ہی کی تعلیم کرتا ہے (ضرور اس کی بات مانو) یہ گفتگو ابوطالب کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچ گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے بھی اسلام لانے کی توقع قائم ہوئی، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابوطالب کے پاس تشریف لے گئے اور ان کو اسلام کی دعوت دی، مگر انہوں نے انکار کردیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی: "انک لاتھدی من احببت ولکن اللّٰہ یھدی من یشاء" یعنی آپ جس کو ہدایت کرنا چاہیں تو نہیں کرسکتے، ہاں اللہ تعالی ہی کو جس کی ہدایت منظور ہو وہی ہدایت یاب ہوسکتا ہے۔

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بیشک یہ رحم یعنی رشتہ داری کا حق اللہ تعالی کے نام رحمان سے لیا گیا ہے، یعنی یہ رشتہ داری رحمان کی رحمت کی ایک شاخ ہے، جو اس رشتہ داری کو توڑے گا اللہ تعالی اس پر جنت حرام کردیں گے۔ (مسند احمد)

حضرت علا بن خارجہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنے نسب کا علم حاصل کرو جس کے ذریعہ سے تم اپنے رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرسکو۔ (طبرانی)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص یہ چاہے کہ اس کے رزق میں فراخی کی جائے اور اس کی عمر دراز کی جائے، اس کو چاہئے کہ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرے۔ (بخاری شریف)

نیز حدیث شریف میں ہے: "لایرد القضاء الا الدعاء ولایزید فی العمر الاالبر"۔ (ترمذی شریف)

دعا کے سوا کوئی چیز قضا کو رد نہیں کرسکتی اور نیکی کے سوا کوئی چیز عمر کو نہیں بڑھا سکتی۔

فقیہ ابواللیث سمرقندی فرماتے ہیں کہ روایات میں عمر کی زیادتی جو وارد ہوئی ہے، تو اس کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ اس کا کیا مطلب ہے بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ خدا تعالی کی طرف سے انسان کی جو اجل اور عمر مقرر کردی جاتی ہے، اس میں پھر تغیر وتبدل نہیں ہوتا، اس لئے کہ خدا تعالی نے خود فرمایا ہے کہ: "فاذا جاء اجلھم ولایستاخرون ساعۃ ولایستقدمون" جب ان کی اجل یعنی موت کا وقت مقرر آجاتا ہے تو پھر اس سے ایک گھڑی بھر بھی تاخیر نہیں ہوتی اور نہ تقدیم ہوتی ہے، پس مطلب زیادتی عمر سے یہ ہے کہ ان لوگوں کیلئے ان کے اعمال کا ثواب مرنے کے بعد بھی لکھا جاتا رہے گا، لہذا جب مرنے کے بعد بھی ثواب ملتا رہے گا تو گویا ایسا ہوا کہ وہ مرا ہی نہیں، اسی کو عمر کا بڑھنا روایات میں فرمایا گیا ہے۔

علماء کی ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ احادیث مبارکہ اپنے ظاہر پر ہیں یعنی جو شخص صلہ رحمی کرتا ہے، واقعی اس کی عمر بڑھادی جاتی ہے،

دراصل قضاء یعنی تقدیر دو قسم پر ہے: (۱) مبرم (۲) معلق۔

''مبرم'' وہ ہے جو بدلیگی نہیں، اس کے بارے میں: ''فاذا جاء اجلهم لايستاخرون ساعة ولايستقدمون'' فرمایا ہے۔

''معلق'' وہ ہے جس میں بعض وجوہ سے بدلے جانے کا امکان ہے، جن احادیث میں عمر بڑھنے کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے ان میں اسی تقدیر معلق کا ذکر ہے، تقدیر معلق میں یہ ہوتا ہے کہ اگر فلاں شخص نے ایسا کیا تو ایسا ہوگا، مثلاً فلاں شخص پر فلاں مصیبت آئے گی اور دعا کی تو نہیں آئیگی اور فلاں شخص نے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کیا تو اس کی عمر اسی سال ہوگی ورنہ ساٹھ سال ہوگی اور یہ تقدیر ''معلق'' فرشتوں کے علم میں رکھی جاتی ہے، اللہ تعالی کو چونکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دعا کرے گا یا نہیں اور ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرے گا یا نہیں اس کے علم کے مطابق تقدیر ''مبرم'' پر ہی عمل ہوتا ہے، حدیث میں جو فرمایا کہ دعا سے قضا رد ہو جاتی ہے اور نیکی سے عمر بڑھ جاتی ہے، یہ قضا معلق کے بارے میں فرمایا ہے جو فرشتوں کے علم سے متعلق ہے۔

عن عبدالله بن عمرو رضى الله عنهما عن النبى صلى الله عليه وسلم "ليس الواصل بالمكافى ولكن الواصل الذى اذا قطعت رحمه وصلها"۔ (بخاری شریف)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ شخص صلہ رحمی کرنیوالا نہیں ہے جو برابری کا معاملہ کرے، یعنی دوسرے کے اچھے برتاؤ کرنے پر اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے، بلکہ صلہ رحمی کرنے والا تو وہ ہے جو دوسرے کے ساتھ قطع رحمی کرنے پر صلہ رحمی کرے۔

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ قطع رحمی کرنے والا جنت میں نہیں جائے گا۔ (بخاری شریف)

یعنی قطع رحمی اللہ تعالی کے نزدیک اتنا سخت گناہ ہے کہ اس گناہ کی گندگی کے ساتھ کوئی جنت میں نہ جا سکے گا، ہاں جب اس کو سزا دے کر پاک کر دیا جائے گا یا کسی وجہ سے اس کو معاف کر دیا جائے تو جنت میں جا سکے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے بعض رشتہ دار ہیں، میں ان سے تعلق جوڑتا ہوں وہ مجھ سے تعلق توڑتے ہیں، میں ان کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہوں وہ میرے ساتھ بدسلوکی کرتے ہیں اور میں ان کی زیادتیوں کو برداشت کرتا ہوں وہ میرے ساتھ جہالت سے پیش آتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جیسا تم کہہ رہے ہو اگر ایسا ہی ہے تو گویا تم ان کے منہ میں گرم گرم راکھ جھونک رہے ہو اور جب تک تم اس خوبی پر قائم رہو گے تمہارے ساتھ ہر وقت اللہ تعالی کی طرف سے ایک مددگار رہے گا۔ (مسلم شریف)

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے سات باتوں کا حکم فرمایا:

(۱) مجھے حکم فرمایا کہ میں مساکین سے محبت رکھوں اور ان سے قریب رہوں۔

(۲) مجھے حکم فرمایا کہ میں دنیا میں ان لوگوں پر نظر رکھوں جو (دنیاوی ساز وسامان میں) مجھ سے نیچے درجہ کے ہیں اور ان پر نظر نہ کروں جو دنیاوی ساز وسامان میں مجھ سے اوپر کے درجہ کے ہیں۔

(۳) مجھے حکم فرمایا کہ میں اپنے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کروں اگرچہ وہ مجھ سے منہ موڑیں۔

(۴) مجھے حکم فرمایا کہ میں کسی سے کوئی چیز نہ مانگوں۔

(۵) مجھے حکم فرمایا کہ میں حق بات کہوں اگرچہ وہ لوگوں کے لئے کڑوی ہو۔

(۶) مجھے حکم فرمایا کہ میں اللہ تعالی کے دین اور اس کے پیغام کو ظاہر کرنے میں کسی ملامت کرنیوالے کی ملامت سے نہ ڈروں۔

(۷) اور مجھے حکم فرمایا کہ میں ''لاحول ولاقوۃ الا باللہ'' کثرت سے پڑھا کروں کیونکہ یہ کلمہ اس خزانہ میں سے ہے جو عرش کے نیچے ہے،

مطلب یہ ہے کہ جو شخص اس کلمہ کو پڑھنے کا معمول رکھتا ہے اس کے لئے نہایت اعلیٰ مرتبہ کا اجر وثواب محفوظ کر دیا جاتا ہے۔ (مظاہر حق)

غیر مسلموں کے ساتھ صلہ رحمی:

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں میری والدہ جو مشرکہ تھیں (مکہ سے سفر کر کے) میرے پاس (مدینہ منورہ) آئیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ معلوم کیا اور پوچھا کہ میری والدہ آئیں ہیں اور وہ مجھ سے ملنا چاہتی ہیں، تو کیا میں اپنی والدہ کے ساتھ صلہ رحمی کر سکتی ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''ہاں اپنی والدہ کے ساتھ صلہ رحمی کرو''۔ (بخاری شریف)

انتقال کے بعد والدین کیساتھ حسن سلوک:

حضرت ابو اُسید مالک بن ربیعہ ساعدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے، قبیلہ بنو سلمہ کے ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ! کیا میرے لئے اپنے والدین کے انتقال کے بعد ان دونوں کے ساتھ حسن سلوک کی کوئی صورت ممکن ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہاں ان کے لئے دعائیں کرنا، اللہ تعالیٰ سے ان کے لئے مغفرت طلب کرنا، اس کے بعد ان کی وصیت پورا کرنا جن لوگوں سے ان کی وجہ سے رشتہ داری ہے، ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا اور ان کے دوستوں کا اکرام کرنا۔ (ابوداؤد شریف)

رحمت خداوندی کا نزول نہ ہونا:

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم لوگ یوم عرفہ کی شب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارے ساتھ وہ شخص نہ بیٹھے جو قاطع الرحم ہو بلکہ وہ اٹھ جائے، پس ہم میں سے کوئی نہ اٹھا سوائے ایک شخص کے جو حلقہ کے بالکل کنارے بیٹھا ہوا تھا، وہ اٹھ کر چلا گیا اور پھر فوراً ہی واپس آ گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے دریافت فرمایا کہ کیا بات تھی؟ اس مجمع میں صرف تم ہی اٹھے اور کوئی نہیں اٹھا، اس نے عرض کیا کہ یا نبی اللہ! ابھی جب میں نے آپ کا یہ ارشاد سنا تو اپنی خالہ کے یہاں گیا جن سے میرا جھگڑا چل رہا تھا اور باہم میل جول منقطع تھا، انہوں نے مجھے دیکھتے ہی کہا آج کیسے ادھر بھول کر آ نکلے، تم نے تو آنا جانا ترک کر دیا تھا، میں نے انہیں آپ کا ارشاد سنایا، اس پر انہوں نے مجھے معاف کر دیا (چنانچہ اس صلح صفائی کے بعد اب حاضر ہوا ہوں) یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے بہت ہی اچھا کام کیا، ہاں اب بیٹھو، اور یہ جان لو کہ رحمت خداوندی اس قوم (یا مجمع) پر نازل نہیں ہوتی جس میں کوئی ایک شخص بھی قاطع الرحم موجود ہو۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قطع رحم بہت بڑا گناہ ہے کہ اس کی وجہ سے خود وہ شخص بھی اور اس کے تمام ہم نشیں رحمت سے محروم رہتے ہیں، پس مسلمان پر واجب ہے کہ وہ قطع رحمی سے توبہ کرے اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے اور صلہ رحمی کرے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ بیٹا (باپ کے انتقال کے بعد) باپ سے تعلق رکھنے والوں کے ساتھ اچھا سلوک کرے''۔ (مسلم شریف)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا جو شخص اپنے والد کی وفات کے بعد ان کے ساتھ صلہ رحمی کرنا چاہتا ہے جبکہ وہ قبر میں ہیں تو اس کو چاہئے کہ اپنے باپ کے بھائیوں کیساتھ اچھا سلوک کرے۔ (ابن حبان)

صلہ رحمی میں یہ بات بھی شامل ہے کہ آدمی اپنی کمائی سے رشتہ داروں کی مالی خدمت یا یہ کہ اپنے وقت کا کچھ حصہ ان کاموں میں لگا دے۔ (معارف الحدیث)

❁❁❁❁❁

تبصرے

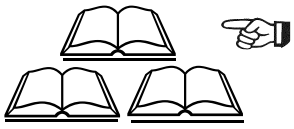

نئی کتابوں پر تبصرہ

محمد مسعود عزیزی ندوی

نام کتاب: سائنس کی خودکشی
مؤلف: مولانا سید سلمان حسینی ندوی
صفحات: ۵۶/
قیمت: ۵۰/روپے
ناشر: جمعیۃ شباب الاسلام لکھنؤ (یوپی)

پیش نظر کتابچہ مولانا سید سلمان حسینی ندوی مدظلہ العالی کا ایک مختصر رسالہ ہے، جس کے بارے میں خود مولانا فرماتے ہیں کہ ''یہ مختصر کتابچہ درحقیقت مولانا عبدالباری ندوی کی معرکۃ الاراء کتاب ''مذہب وسائنس'' کی تلخیص ہے، میں نے زمانہ طالب علمی میں اس کو پڑھا تھا، کتاب کو پڑھ کر مجھ پر یہ تأثر ضرور ہوا کہ یہ فلسفہ سائنس کی خودکشی کا اعلامیہ ہے، حضرت تھانوی نے مولانا عبدالباری کی اس کتاب کے بارے میں فرمایا تھا کہ ''یہ مذہب کا آہنی قلعہ ہے'' مولانا حبیب الرحمٰن خان شیروانی نے کتاب کی تعریف میں اور اس کے مصنف کی تعریف میں فرمایا تھا کہ ''سائنس ان کے ہاتھ پر مسلمان ہوگئی ہے''، بلاشبہ مذہب وسائنس ایک ضخیم کتاب ہے، مولانا سید سلمان حسینی ندوی نے کتاب کی روح اور اس کا نچوڑ نکال کے قارئین کے سامنے رکھ دیا۔

کتاب کے شروع میں مولانا عبدالباری نے جو اپنی آپ بیتی لکھی ہے، اس کی تلخیص پیش کی گئی ہے، اس کے بعد ڈاکٹر رضی الدین صاحب صدیقی کے مقدمہ کی تلخیص ہے، ڈاکٹر صاحب کے مقدمے سے ۲۴/نکتے بیان کئے ہیں، پھر اصل کتاب ''مذہب وسائنس'' کا خلاصہ پیش کیا ہے، اس میں مزید ۱۹/نکتے بیان کئے، اس کے بعد ۲۰/۲۱/صفحات میں پوری کتاب کا خلاصہ پیش کردیا، سچی بات یہ ہے کہ اگر قاری اس کتابچہ کو سمجھ کر پڑھ لے، تو وہ اچھا خاصا فلسفی بن جائے گا یا کم از کم سائنس کے بارے میں اور کائنات کے نظام کے بارے میں سائنسدانوں کے نظریات وافکار سے اچھی خاصی واقفیت ہوجائے گی اور معلوم ہوجائے گا کہ کس طرح سائنس کی خودکشی ہوئی، کس طرح سائنسدانوں کے ہاتھوں سائنس کی شکست وریخت ہوئی، اور کس طریقے سے مادیت کے بت ٹوٹ گئے، یہ سب باتیں اختصار کے ساتھ اس میں جمع کردی گئی ہیں، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس خشک اور معلوماتی موضوع کی تلخیص اور دریا کو کوزے میں بند کرنے کا کام وہ مجدد وقت امام العصر مولانا سید سلمان حسینی ندوی مدظلہ العالی جیسا ذہین وفطین، مفکر ومدبر انسان ہی کرسکتا تھا، جن کو اللہ تعالی نے گوناگوں خصوصیات وصلاحیت سے نوازا ہے، مولانا اس وقت اپنی طلاقت لسانی، قادرالکلامی، زبان وبیان پر مکمل قدرت، علم کی گہرائی وگیرائی، مفکرانہ سوچ، عالم اسلام کے حالات پر گہری نظر، قوموں کے عروج وزوال کی تاریخ سے واقفیت اور سب سے بڑھ کر وحی الٰہی قرآن کریم کے الفاظ ومعانی پر برجستہ کامل دسترس اور کلام نبوت سے مکمل مناسبت اور اپنے جلال وجمال کی بنا پر عرب وعجم کے دلوں کی دھڑکن بنے ہوئے ہیں، موصوف جو کہتے ہیں، جو لکھتے ہیں، اس کے پیچھے دلائل کا ایک انبار ہوتا ہے، ان کی باتوں میں سطحیت نہیں بلکہ ایک ایسی معنویت ہوتی ہے جس کے پیچھے ایک مستقل تاریخ ہوتی ہے، ایسے عظیم عالم دین نے اس کتاب کی تلخیص کی جو مستقل معلومات کا ایک شاہکار بن گئی، اللہ تعالی مولانا کے اس عمل کو قبول فرمائے۔

امید ہے کہ قارئین اس کتاب کو حاصل کرکے فائدہ اٹھائیں گے، راقم نے ایک ہی نشست میں پڑھ ڈالی، دوبارہ پڑھنے کو جی چاہتا ہے، طلبہ عزیز ہی نہیں بلکہ علماء کے لئے بھی خاصے کی چیز ہے۔

❁❁❁❁

نام کتاب: داعش؟

مؤلف: مولانا سید سلمان حسینی ندوی

صفحات: ۲۴/ قیمت: ۲۰/روپئے

ناشر: جمعیۃ شباب الاسلام لکھنؤ (یوپی)

پیش نظر کتاب عالم اسلام کے عظیم مفکر، عربی، اردو کے قادر الکلام خطیب اور مصنف، مایہ ناز ادیب، امام عصر، مجدد وقت، داعی الی اللہ، مفسر یگانہ، محدث زمانہ، متکلم اسلام، بے باک عالم دین، سادات حسینی کے چشم وچراغ، ملت اسلامیہ کے دھڑکتے دل، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نوراللہ مرقدہ کے منظور نظر اور معتمد خاص، مولانا سید سلمان حسینی ندوی کے شاہکار قلم سے نکلا ہوا مختصر کتابچہ ہے، جس میں مولانا نے دلائل سے بتلانے کی کوشش کی ہے کہ ''داعش، یعنی الدولۃ الاسلامیۃ فی العراق والشام'' نہ امریکہ کی ایجنٹ نہ اسرائیل کی، وہ ایک متشدد اور انتہا پسند ''سلفی'' تنظیم ہے۔

آج کل داعش کیا ہے،؟ یہ تنظیم کیسے وجود میں آئی؟ کب اور کہاں اس کی تشکیل ہوئی؟ عراق کے ایک بڑے حصے پر اور شام کے متعدد علاقوں پر یہ کیسے قابض ہوگئی؟ یہ علماء دانشوران، اخبار کے ایڈیٹر صاحبان، کالم نگار، مضمون نویس اور رپورٹرز سب کیلئے ایک معمہ بنا ہوا ہے، جتنے منھ اتنی باتیں، جتنے قلم اتنی نگارشات۔

مولانا نے ان سوالات کے صحیح جوابات دینے کی اس کتابچہ میں کوشش کی ہے، مولانا فرماتے ہیں کہ ''داعش سعودی نظام کے بطن سے پیدا ہونیوالی تنظیم ہے، اس کی شرعی ماں ''القاعدہ'' ہے، یہ ساری تنظیمیں امر واقعہ یہ ہے کہ ''سلفیت'' کے پیٹ سے پیدا ہوئی ہیں، اس سلفیت کی گھٹی میں تشدد، انتہاء پسندی، دوسرے حلقوں کی تکفیر اور ائمہ اور علماء حق پر طعن وتشنیع داخل ہے، اس تحریک کے تین چہرے ہیں، ایک فکری واعتقادی، دوسرا سیاسی اور تیسرا ''داعش'' ہے، مولانا نے داعش کے متعلق اس کتابچہ میں جو تجزیہ پیش کیا ہے، وہ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے، امید ہے کہ قارئین پڑھ کر صحیح صورت حال سے واقفیت حاصل کرنے کی کوشش کریں گے، اللہ تعالی ہم سب کو صراط مستقیم پر گامزن فرمائے۔

وفیات

❁ کچھ دنوں قبل مدرسہ ''تعلیم القرآن''، محلّہ خانقاہ دیوبند کے ناظم اور مہتمم مولانا مفتی راشداللہ بجنوری کے والد جناب حافظ شوکت علی صاحب کا دیوبند میں انتقال ہوگیا ہے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

❁ ۱۴/جنوری ۲۰۱۶ء کو ماہر قانون، نائب جنرل سکریٹری الحاج عبدالرحیم قریشی کا انتقال ہوگیا ہے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

❁ ۲۴/جنوری بروز سنیچر ۲۰۱۶ء کو علاقہ بزرگ جناب حضرت مولانا سید مکرم حسین صاحب سنسارپوری (خلیفہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری) کی اہلیہ کا انتقال ہوگیا ہے، اناللہ وانا الیہ راجعون

❁ ۲۰/جنوری ۲۰۱۶ء کو مولانا سہیل احمد (نواسہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ) کا انتقال ہوگیا ہے، اناللہ وانا الیہ راجعون

❁ ۲۲/جنوری ۲۰۱۶ء مغربی یوپی کی قدیم درسگاہ جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ کے ناظم مولانا خالد سیف اللہ صاحب قاسمی کی والدہ ماجدہ کا انتقال ہوگیا ہے، اناللہ وانا الیہ راجعون

❁ ۲۰/جنوری ۲۰۱۶ء کو مولانا محمد یعقوب ندوی ناظم ''جامعہ خیر النساء للبنات'' پیلی مزرعہ کی والدہ محترمہ کا انتقال ہوگیا ہے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

❁ ۱۲/جنوری بروز منگل ۲۰۱۶ء کو ماہنامہ ''نقوش اسلام'' کے چیف ایڈیٹر مولانا قاری مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی کے پھوپھا جناب حافظ توثیق احمد کا تھانہ بھون میں انتقال ہوگیا ہے، اناللہ وانا الیہ راجعون

حافظ صاحب بہترین حافظ قرآن، اچھے مجود اور تھانہ بھون کے معزز اور متمول لوگوں میں سے تھے، نیک سیرت ونیک طبیعت انسان تھے، ماہنامہ ''نقوش اسلام'' کے ممبر اور مرکز کے خیر خواہ تھے، اللہ تعالی ان کی بال بال مغفرت فرما کر ان کے درجات بلند فرمائے۔

نقوش اسلام کے تمام قارئین سے مرحومین کے لئے دعائے مغفرت اور بلندی درجات کی دعا کی درخواست ہے۔

اللہ تعالی کا شکر

ہم تمام کارکنان ماہنامہ ''نقوش اسلام'' کے دس سال پورا ہونے پر اللہ تعالی کا شکر ادا کرتے ہیں۔